ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

Issue: 70 :شمارہ Vol: 6 :جلد Dec 2023 دسمبر

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابوہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/- امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
ڈاکٹر نادر المسدوسی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی۔ ڈاکٹر نوری خاتون
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔
مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی
ابوہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط وکتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اداریہ: الیکشن	ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	**صالحیت**	مولوی حبیب الرحمٰن	۷
۴	**غزل**	رہبر پرتاپ گڑھی	۱۰
۵	خواتین کے حج وعمرہ کے چند سفرنامے - ایک اجمالی تعارف	عبدالودود انصاری	۱۱
۶	نعت رسول مقبول ﷺ	شاعر جلیل نظامی	۱۷
۷	ہندو مصنفین کی سیرت نگاری - ایک تجزیاتی مطالعہ (۲)	امدادالحق بختیار قاسمی	۱۸
۸	''وہ عنایتیں تقدیر کی''	خیرالنساء علیم	۲۳
۹	**غزل**	علی شاہد دلکش	۲۵
۱۰	**بیکسی**	سید عظمت اللہ بیابانی	۲۶
۱۱	**التجائے دعا**	ادارہ	۲۷
۱۲	بانی دارالعلوم حیدرآباد امیر ملتِ اسلامیہ حضرت مولانا محمد حمیدالدین......	محمد اسلم عامر	۲۸
۱۳	**غزل**	علیم خان فلکی	۳۱
۱۴	**نظم فلسطین**	حافظ وقاری ولی محمد زاہد ہریانوی	۳۱
۱۵	''سفیر اردو'' گوپی چند نارنگ	سید علقمہ عرشی	۳۲
۱۶	**غزل**	ڈاکٹر جعفر جری	۳۳
۱۷	دیواروں والا باغیچہ (۲)	پرواز احمد	۳۴
۱۸	**راستہ فاروق اعظمؓ کا**	شاہنواز ہاشمی	۳۹

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیرالدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر **سید جلیل حسین ایم ڈی** (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا انجینئر** (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمرالدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم گلشن باغ، حیدرآباد

الیکشن

نئی ریاست تلنگانہ ہندوستان کے نقشہ پر ابھرنے والی ۲۹ ویں ریاست ہے، تادم تحریر ابھی یہ ریاست ایک دہائی بھی مکمل نہیں کر سکی ہے، اس نئی ریاست کے پہلے وزیراعلیٰ کے چندر شیکھر راؤ بنے، اس ریاست کے موصوف تقریباً ساڑھے نو سال تک وزیراعلیٰ رہے، کے سی آر صاحب نے تلنگانہ ریاست کے لئے عظیم جدوجہد کی جو تاریخ میں انمٹ نقوش کی طرح یاد رکھی جائے گی۔ کے سی آر صاحب نے تلنگانہ کی عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کچھ اہم کام کئے اور ریاست تلنگانہ کو عروج پر پہنچانے کے لئے انہوں نے بھرپور کوشش کی۔ انھیں ملک کی تمام ریاستوں میں بہترین وزیراعلیٰ منتخب کیا گیا۔

الیکشن کمیشن نے جیسے ہی الیکشن کی تاریخ کا اعلان کیا تو کے سی آر صاحب (بی آر ایس پارٹی) نے اپنی ساڑھے نو سالہ خدمات کو عوام کے سامنے پیش کیا اور آئندہ کے عزائم و مقاصد کا منشور جاری کیا، اس کے بالمقابل کانگریس نے چھ گارنٹی پوری ضمانت کے ساتھ صوبۂ کرناٹک کی نظیر لاتے ہوئے پیش کیا، دونوں طرف سے انفرادی، اجتماعی الزام تراشیاں ہوتی رہیں، بعض یا یوں کہہ لیجئے کہ اکثر لیڈران نے اخلاق و کردار کی ساری حدیں توڑ دیں۔ ہمارے سیاسی لیڈروں کا یہ طریقہ قانوناً، اخلاقاً بالکل ہی ملک کے لئے مفید نہیں ہے۔ ہر ایک شخص جماعت کو چاہیے کہ ہم نے اب تک یہ یہ کام کیا ہے اور آئندہ ہم پختہ یقین دلاتے ہیں کہ یہ یہ کام کریں گے، ہمارا ملک جمہوری ہے اس میں ذات پات مذہب اور علاقے کی سیاست نہیں ہونی چاہئے، بلکہ عوامی مفاد ہی کی بات ہونی چاہیے۔

پانچ ریاستوں کے نتائج آنے کے بعد سابقہ کی طرح پھر ای وی ایم (EVM) پر سوالیہ نشان کھڑا ہوا اور ووٹ فیصد جو کہ پول نہیں ہوئے اس کی بھی بات ہوئی۔ اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ ای وی ایم (EVM) کو الیکشن کمیشن اس انداز سے بنائے کہ ہارنے والوں کو بھی اطمینان ہو جائے کہ ہمیں ای وی ایم (EVM) نے نہیں ہرایا بلکہ عوام نے شکست دی ہے۔

الیکشن کے دوران یہ بھی بات سامنے آئی کہ ووٹ کی خرید و فروخت ہوتی ہے، ووٹ کا بیچنا خریدنا قانوناً اور شرعاً جرم ہے۔ ایسے اشخاص کے لئے کچھ ایسی سزا کا انتظام کیا جائے کہ مجرم اس کا اعادہ نہ کر سکے اور سماج کے لئے نظیر بن جائے۔ نیز یہ بھی بات سامنے آئی کہ کچھ شرپسند عناصر ووٹ کی بوگسنگ (دوسروں کا ووٹ) کرتے اور کراتے ہیں۔ بوگسنگ کو روکنے کے لئے سب سے اہم بات ہر شخص کی کے وائی سی (KYC) ہے، کے وائی سی (KYC) میں وقت زیادہ لگ سکتا ہے۔ اس وجہ سے الیکشن کمیشن کو چاہئے کہ بوتھوں کی تعداد بڑھا دی جائے۔ ووٹ کا فیصد بڑھانے کے لئے ووٹنگ کا ماحول سازگار رہنا چاہیے۔ بوتھوں کی تعداد کے ساتھ محلّہ کے ہر فرد کو ووٹ دینے کے لئے راغب کرنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ جو شخص طاقت رکھتے ہوئے ووٹ نہیں دیتا اس پر جرمانہ عائد کرنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ حکومت کی طرف سے ہر طرف تعطیل ہوتی ہے۔ اور یہ تعطیل صرف صرف ووٹ کے لئے ہوتی ہے۔

تلنگانہ میں کانگریس کو اکثریت حاصل ہوئی اور اس کا سہرا جناب ریونت ریڈی وزیراعلیٰ کے سر جاتا ہے کیوں کہ انہوں نے تمام طبقات کو اعتماد میں لیا اور حزب مخالف کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا جس کا نتیجہ سامنے ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو وزیراعلیٰ کی کرسی پر پہنچانے کے لئے اردو شاعری نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ادارہ شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ جناب ریونت ریڈی وزیراعلیٰ تلنگانہ اور تمام فتحیاب اراکین اسمبلی کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور یہ امید کرتا ہے کہ وہ اپنے عہدے کے تئیں حلف کا لحاظ کرتے ہوئے عوام کی خدمت کریں گے اور اس ریاست کو عروج پر پہنچائیں گے۔ اور بالخصوص اردو زبان و ادب کے فروغ کے وہ تمام اسکیمیں وا کریں گے اور کچھ نئی منزلیں اور راستے نکالیں گے۔

سابقہ خامیوں کو گنانے سے بہتر ہے کہ مستقبل پر نظر رکھیں اور ماضی کی مفید باتوں کو آگے بڑھائیں۔

محمد حامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر: دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے، لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے، جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں وہ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جوان کے تشنۂ خون ہوتے ہیں وہ ان کو پیار کرتے ہیں، ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرت ﷺ پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے، اس داستان کے دہرانے کے لیے بھی سنگ دلی درکار ہے، اسی زمانہ میں خبابؓ بن ارت ایک صحابی نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! دشمنوں کے حق میں بددعا فرمائیے، یہ سن کر چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا۔ ایک دفعہ چند صاحبوں نے مل کر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا کہ ''میں دنیا کے لیے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

وہ قریش جنھوں نے تین برس تک آپ ﷺ کو محصور رکھا اور جو آپ ﷺ کے پاس غلہ کے ایک دانہ کے پہنچنے کے کے روادار نہ تھے، ان کی شرارتوں کی پاداش میں دعائے نبوی ﷺ کی استجابت نے ابرِ رحمت کا سایہ ان کے سر سے اٹھا لیا اور مکہ میں اس قدر قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے، ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ''محمد ﷺ! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو۔'' آپ ﷺ نے بلا عذر فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور خدا نے اس مصیبت سے ان کو نجات دی۔

جنگِ احد میں دشمنوں نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلواریں چلائیں، دندانِ مبارک کو شہید کیا، جبین اقدس کو خون آلودہ کیا، لیکن ان حملوں کا وار آپ ﷺ نے جس سپر پر روکا وہ صرف یہ دعا تھی:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قومي فانھم لا یعلمون.

خدایا، ان کو معاف کرنا کہ یہ نادان ہیں۔

وہ طائف جس نے دعوت اسلام کا جواب استہزا اور تمسخر سے دیا تھا، وہ طائف جس نے داعیٔ اسلام کو اپنی پناہ میں لینے سے انکار کر دیا تھا، وہ طائف جس نے پائے مبارک کو لہولہان کیا تھا، ان کی نسبت فرشتۂ غیب پوچھتا ہے کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے، جواب ملتا ہے کہ ''شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو'' دس بارہ برس کے بعد یہی طائف اسلام کی دعوت کا جواب تیر و تفنگ (منجنیق) سے دیتا ہے، جاں نثاروں کی لاشیں پر لاشیں گر رہی ہیں، صحابہؓ عرض کرتے ہیں کہ ''یارسول اللہ ﷺ! ان کے حق میں بددعا کیجئے''۔ آپ ﷺ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور ان کے حق میں بددعا فرمائیں گے لیکن زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہیں ''خداوند! ثقیف (اہل طائف) کو اسلام نصیب کر اور دوستانہ ان کو مدینہ لا'' وہ تیر جو میدان جنگ میں نشانہ پر نہیں لگے تھے، وہ مدینہ کے صحنِ مسجد میں زبان مبارک سے نکل کر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچے، یعنی وہ مدینہ آ کر خاص مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھ کر، جہاں وہ مہمان ٹھہرائے گئے تھے، مسلمان ہوئے۔ (سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۲۹۹-۳۰۰)

مولوی حبیب الرحمن-حیدرآباد

صالحیت

کلمہ طیبہ

انسان جب تک کہ بندگی حق پر قائم نہ ہوجائے وہ صالح، پاکیزہ نہیں ہوسکتا۔ یہی اس کی فطری حیثیت ہے۔ بندگیٔ حق کا نقطۂ آغاز ''ایمان باللہ'' ہے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صحیح تعلیم سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کلمہ کا نام ''القرآن''، ''صحیفۂ فطرت'' میں کلمۂ طیبہ ہے یعنی پاک کلمہ۔ مطلب یہ ہے کہ ان چند الفاظ میں دانش و آگہی کا جو غیر محدود ذخیرہ، جاہل و نادان انسان کو عطا کیا گیا ہے اس سے انسان کا دل و دماغ اور اس کی زندگی تمام غیر فطری، ناشائستہ، انسانیت سوز و گندے افکار و کردار سے پاک ہوجاتی ہے۔

اس کلمہ کے پہلے الفاظ ''لَآ اِلٰـہَ'' میں انسان کے باطل و غیر فطری افکار کی تردید ہے اور ''اِلَّا اللّٰہ'' سے عبد و رب کا فطری تعلق جڑ جاتا ہے۔ باطل و غیر فطری افکار کا قرآنی نام شرک، کفر و نفاق ہے۔ ان سے توبہ کرکے ہی حق و صداقت کا پیام ''کلمۂ طیبہ'' قبول کیا جاسکتا ہے۔ دل جب تک ان گندے خیالات و عقائد سے پاک نہ ہوجائے نورِ ایمان سے منور نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اولاً شرک، کفر و نفاق کا قرآنی مفہوم پیش کیا جاتا ہے۔

شرک

اسلام کا دعوتی کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کے مخاطب مشرکین عرب بھی تھے اور اہلِ کتاب بھی۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ، دیگر افرادِ خلق، ملائکہ، اجنّہ، انبیاء علیہم السلام اور بزرگانِ دین کو بھی الٰہ بنائے ہوئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى. قُلْ لَّآ اَشْهَدُ. قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ'' (سورہ الانعام: 19) ترجمہ: (کیا واقعی تم یہی گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور بھی الٰہ (معبود و مستعان) ہیں آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں (ایسی غلط بات کی) گواہی نہیں دیتا۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ وہ (اللہ) ایک ہی الٰہ ہے اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بندگانِ خدا کو بھی ''الٰہ'' قرار دینا شرک ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سواء بندگانِ خدا، ملائکہ، اجنّہ، انبیاء علیہم السلام اور بزرگانِ دین کے متعلق یہ عقیدہ گھڑ لینا کہ وہ دنیا و آخرت کی مشکلات میں ہماری مدد کرسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دفعِ مصائب، حلِ مشکلات اور حاجت روائی کا اختیار دے رکھا ہے اس لئے اب وہ مالک و مختار ہیں بطور خود یا اللہ تعالیٰ سے سفارش کرکے قہرِ الٰہی سے بچاسکتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی ہر خرابی اور ہر مشکل ان کا واسطے اور وسیلے کے بغیر دور نہیں ہوسکتی۔ اس باطل عقیدہ کے تحت انجاحِ حاجات اور حلِ مشکلات و دفعِ مصائب کے لئے ان کو پکارنا، ان کے آگے سرِ نیاز جھکانا، ان سے منت مانگنا، ان کی نذر کرنا اور اُن کے قبور پر طواف، رکوع و سجدے کرنا، اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو بھی الٰہ قرار دینا اور ان کی عبادت کرنا (ان کو پکارنا) ہے۔ ''وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ م لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ'' (سورہ القصص: 88) ترجمہ: (مت پکارو اللہ کے ساتھ

کسی اور کو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔) سے ظاہر ہے کہ مصیبتوں میں مدد کے لئے انسان جس کو پکارتا ہے وہی اس کا الٰہ ہے اور یہی شرک ہے۔ نیز اللہ جل شانہٗ کی اطاعت و فرمانبرداری سے روگردان ہوکر اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنا، خواہش نفسانی کو الٰہ بنانا ہے یہ بھی شرک ہے۔ آیت کریمہ "اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ"(سورہ الفرقان: 43، جاثیہ: 23، القصص: 50) ترجمہ: (کہ آپؐ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو الٰہ بنا رکھا ہے۔) اس اجمال کی مختصر تفصیل یہ ہے:-

1۔ اللہ جل شانہٗ کے سوا کسی دیکھی یا ان دیکھی ہستی کو اللہ تعالیٰ کی رحمانیت، خالقیت، غفاریت مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کسی اسم حسن سے کسی مخلوق کو متصف سمجھنا یا مخلوق میں کسی اسم حسن کو ثابت کرنا شرک ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مقررہ نظام دنیا و آخرت یعنی اللہ کے امر و حکم و نہی کے نفاذ و اجراء و تدبیر میں کسی مخلوق کو دخیل اور شریک کار سمجھنا خواہ وہ ملائکہ ہوں یا انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام ہوں یا جنّہ۔ مثلاً زندگی، موت، رزق، اولاد، صحت و مرض، عافیت، عذاب و مغفرت، ہدایت، گمراہی، غضب و رحمت، حاجت روائی و مشکل کشائی یا شرور و آفات سے حفاظت وغیرہ کے الٰہی نظام میں مخلوق کو شریک سمجھنا شرک ہے۔ "لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ" (سورہ السبا: 22) ترجمہ: (وہ ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہیں ان کے لئے آسمان و زمین میں کوئی شرکت اور نہیں ہے ان میں سے کوئی بھی اللہ کا مشیر۔)

2۔ مخلوق کی کسی صفت سے اللہ جل شانہٗ کو متّصف سمجھنا شرک ہے مثلاً یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کے اولاد ہے اور بی بی ہے (سورہ التوبہ: 30، مریم: 88 تا 92، المائدہ: 116، اسریٰ: 40 اور الزخرف: 18-19) یا وہ کسی سے مشورہ کئے بغیر حکومت نہیں فرما سکتا (بنی اسرائیل: 111)۔

3۔ انسان کا اپنے آپ کو مالک و مختار سمجھ کر من مانی زندگی بسر کرنا شرک ہے۔ انسانی تجاویز و قوانین اور احکام کو موجبِ فلاح و خیر سمجھنا یا امن و سلامتی، عدل و انصاف کے آئین و قوانین بنانے کی قابلیت و صلاحیت انسان کے لئے ثابت کرنا اور انسانی اقتدار کے آگے بطیب خاطر سربسجود رہنا شرک ہے۔ "مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ" (سورہ القصص: 68) ترجمہ: (ان میں تجویز احکام کی کوئی قابلیت ہی نہیں، پاک ہے اللہ ان کے شرک سے اور برتر ہے۔)

4۔ فکر و تدبر، سعی و جدوجہد کے نتائج کو (اللہ کی مدد سے نہیں بلکہ) اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھنا۔

5۔ واقعات و حوادث و انقلابات کو ستاروں کی گردش کا اثر سمجھنا، بدشگونی لینا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا، نجومی کی باتوں کو سچ سمجھنا۔

6۔ اللہ جل شانہٗ میں کوئی عیب یا نقص مثلاً ظلم، بے انصافی، جہل وغیرہ یا اللہ کے لئے جسم و صورت، حلول و اتحاد وغیرہ ثابت کرنا بھی شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کے افعال و نظام پر اعتراض کرنا بھی۔

7۔ دنیا و آخرت کے نفع و ضرر کے تعلق سے جس کا ذکر فقرہ (1) میں کیا گیا ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں کو یا جنّہ و شیاطین کو مدد کے لئے پکارنا ان کو راضی رکھنے کے لئے ان کے نام سے جانور ذبح کرنا، ان کے مسکن یا ان کے قبور کو خیر و برکت کے نزول کا مقام سمجھنا، ان کی تعظیم کے لئے ان کے سامنے قیام یا ایسے افعال جن سے اپنی عاجزی، ذلّت اور ان سے اپنی احتیاج اور ان کے علو و برتری، جلال و کبریائی کا اظہار ہو، شرک ہے۔

توضیح: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے بجائے مخلوق کا خوف' اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کے بجائے مخلوق سے وابستگی' اللہ جل شانہٗ پر اعتماد کے بجائے مخلوق پر اعتماد و بھروسہ' اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے بجائے اپنی نمود و شہرت یا مخلوق سے جزا پانے کی نیت سے دینی و دنیوی امور انجام دینا جس کو ریا کہتے ہیں یہ سب شرک ہی کے اجزاء ہیں۔

دینِ حق' علمِ حق سے بے بہرہ رہنے کی وجہ سے ہر چھوٹے بڑے میں کم و بیش شرک کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ علمِ دین حاصل کیا جائے۔ جہل کی وجہ سے اگر شرک کے اجزاء پرورش پاتے رہیں گے تو خسرانِ آخرت تو یقینی ہے۔ زہر کو اگر شربت سمجھ کر پی لیا جائے گا تو اثر زہر ہی کا ہوگا۔ یہ جہل ہی کے نتائج ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کی مخلوق انبیاء علیہم السلام سے غیر طبعی امور' معجزات کا ظہور دیکھ کر انسان ان کے آگے جھک جاتا ہے اور اُن کو اپنا مشکل کشا و حاجت روا خیال کرلیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے۔ نظامِ عالم میں ان کو تصرف کا اختیار دیا ہے اور اللہ جل شانہٗ کے پاس ان کو اس قدر رسوخ حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ ان کے مشورہ کے بغیر کوئی حکم صادر کرتے ہیں اور نہ ان کے ذریعہ و واسطہ کے بغیر اللہ جل شانہٗ تک رسائی ہوسکتی ہے اور نہ دعاؤں کی سنوائی۔ اس شیطانی فریب میں جب انسان مبتلا ہوجاتا ہے تو وہ نجات و مغفرت کے لئے اپنی فکر و عمل کی اصلاح ضروری نہیں سمجھتا اور اس دھوکہ میں مبتلا رہتا ہے کہ دنیا میں من مانی زندگی گزار کر خدا کے مقبول بندوں کو (اگر ان کے نام سے ایصالِ ثواب کرکے اور ان کی نذر و منّت کرکے) راضی رکھے گا تو آخرت کی سختی سے چھٹکارا پاجائے گا اور دنیا کے دکھ' درد اور حیرانی و پریشانی سے حفاظت ہوجائے گی۔ دنیا و آخرت کی خوش حالی' فکر و عمل کی پاکیزگی سے نہیں بلکہ اللہ کے مقبول بندوں کے دامن سے وابستہ رہنے سے ہے'' حالانکہ خدائے تعالیٰ کے قانونِ منع و عطا' نفع و ضرر' مغفرت و عذاب میں کسی فردِ خلق کو رتی برابر دخل (مداخلت کا حق) نہیں اور جن کو وہ صاحبِ اختیار سمجھ کر مدد کے لئے پکارتا ہے وہ کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ ''وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ'' (سورہ الفاطر:13)

ترجمہ: (اللہ کے سوا جن کو تم (واسطہ سمجھ کر) پکارتے ہو وہ رتی برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔)

نیز جہل کی وجہ سے اس پندار میں رہتا ہے کہ اس کو خدا نے عقل اس لئے عطا کی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو سمجھے اور اس کے مسائل کا حل خود معلوم کرے اور اپنی فلاح و خیر کے لئے اپنی زندگی کا نظام خود مرتب کرلے۔ ان شیطانی خیالات کی بناء پر اپنی ہویٰ و ہوس کی اتباع کرتا ہے اور مخلوق کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیتا ہے' خدا پرستی کی فطری راہ چھوڑ کر غیر فطری راہ پر گامزن ہوجاتا ہے۔ اللہ و رسولؐ نے شرک سے بچنے کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ یہ ایسا مرض ہے جو غیر محسوس طور سے قلب میں گھر کر جاتا ہے۔ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ غیر محسوس جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''والذی نفسی بیده الشرك اخفی فیكم من دبیب النمل'' (الادب المفرد للامام البخاری)۔ اہلِ علم کے لئے بھی ضروری ہے کہ ہر وقت اپنے قلب کا جائزہ لیتے رہیں کہ غیر شعوری طور سے کہیں شرک کے جراثیم پرورش تو نہیں پارہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے رہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو یہی تعلیم دی اور یہ دعا سکھائی۔ ''اللهم انی اعوذ بك من انْ اشرك بك وانا اعلم واستغفرك لما لا اعلم''
ترجمہ: (اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ جان بوجھ کر شرک

کروں اور جو بغیر جانے بوجھے ہو جائے۔ اس کی تجھ سے بخشش چاہتا ہوں۔) انسان کی فطرت وحدت پسند ہے مثلاً یہ خوشی کسی کا محکوم ہو تو اپنے حاکم کے سوا غیر کی حکومت پسند نہیں کرتا۔ اگر حاکم ہو تو اپنی حکومت میں دوسرے کی شرکت گوارا نہیں اس آیت کریمہ ”ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ“ (سورہ یوسف:39) ترجمہ: (کیا کئی ارباب (حاجت روا) بہتر ہیں یا صرف ایک ہی اللہ غالب حاجت روا بہتر ہے۔) میں انسان کی وحدت پسند فطرت ہی کی طرف اشارہ ہے کہ شرک مزاج انسانی کے مطابق نہیں اور ایک ہی مرکز اعلیٰ و عظیم سے وابستگی اور اسی کی اطاعت و فرمانبرداری انسان کی فطرت ہے۔ مختصر یہ کہ مخلوق میں کسی ایک کو بھی مدد کے لئے پکارنا اور اس کی بندگی کرنا شرک ہے، حق تعالیٰ سے کھلی مخالفت ہے۔ حقیقی مالک و حاکم سے بغاوت ہے۔ اس مخالفت و بغاوت کے چند روزہ و ابدی نتیجے خالقِ انسان نے مقرر کردیئے ہیں جو نہایت تکلیف دہ ہیں اور وہی ہیں جس کو انسانی فطرت پسند نہیں کرتی۔ مثلاً ”اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ“ (سورہ توبہ:28) ترجمہ: (بے شک شرک کرنے والے گندے ہیں۔) گندگی یہ کہ اللہ اعلیٰ و عظیم کا بندہ ہو کر اپنے ہی جیسے ادنیٰ یا اپنے سے کمتر مخلوق کا بندہ اور ہویٰ و ہوس کا پرستار بن جائے گا تو اس ناپاکی کا ناپاک اثر افکار و کردار پر یہ ہوگا کہ ناپاک و پاک میں کوئی امتیاز نہ رہے گا۔ گندی چیزوں سے نفرت نہ ہوگی۔ اس کی زندگی حیوانوں کی طرح ناپاک زندگی ہوگی۔ یعنی کمزور اور بے وسیلہ (بے سہارا) انسانوں کی حق تلفی کرے گا۔ جبر و استبداد، دغا و فریب، غارت گری و خونریزی، جان و مال، عزت و ناموس کی بربادی ان شرک کرنے والوں کی سیاست ہوگی۔ ہویٰ و نفس کے تقاضوں کی تکمیل، لذّت و شہوت پوری کرنے کے لئے غیر فطری ذریعہ ان کی تہذیب کے بنیادی اصول ہوں گے۔ کھیل، تماشہ، نسلی و قومی تفاخر، مال و زن و اولاد کی کثرت کی ہوس، جسم و صورت، لباس و مکان کی تزئین و آرائش، نام و نمود ان کے مطلوب و مقصود ہوں گے۔

(ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص:۸۵-۹۱)

رہبر پرتاپ گڑھی (یوپی)

غزل

وہ دیپ جو روشن تھا سرِ صبح بجھا ہے
تا عمر ہر اک ظلمتِ عالم سے لڑا ہے

کٹ جائے گا یہ سر نہ جھکے گا نہ جھکا ہے
سجدہ تو فقط خالقِ واحد کا رَوا ہے

جن لوگوں کے آگے کوئی منزل نہیں ہوتی
اُن کے لیے ہر گام فقط بوجھ رہا ہے

یہ فرقہ پرستی یہ تعصب یہ عداوت
یہ قہر الٰہی ہے جو اب ٹوٹ پڑا ہے

تاریخ نہیں دیکھی حریفوں نے ہماری
ہم نے تو سمندر کو بھی تسخیر کیا ہے

حق بات کو رہبؔر! یونہی تم بولتے رہنا
اِس دور میں خاموشی بھی سنگین خطا ہے

عبدالودود انصاری۔سابق پرنسپل: اردو میڈیم گورنمنٹ ٹیچرس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، پوسٹ: نالی کل۔712407 (مغربی بنگال)

خواتین کے حج وعمرہ کے چند سفرنامے

ایک اجمالی تعارف

حج ایک ایسی عبادت ہے جو چند شرائط پوری ہونے کے بعد ہر مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا خاتون پر اسی طرح فرض ہے جس طرح روزہ اور نماز فرض ہیں۔

اللہ کا اصول ہے کہ نیکی کے معاملے میں مرد یا عورت نہیں دیکھتے دیکھتا ہے بلکہ جو کوئی بھی نیکی کرتا ہے اللہ اسے اس کا اجر پورا پورا دیتے ہیں۔اللہ اپنی سچی کتاب قرآن مجید میں اف صاف فرمایا ہے:

''میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کام کرنے والا ہو، اکارت نہیں کرتی خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔'' سورہ: آلِ عمران، آیت:195)

مفتی شفیع صاحب عثمانی لکھتے ہیں: ''لیکن امور آخرت اور رضائے الٰہی کا تمام تر مدار ایمان اور عملِ صالح پر ہے۔ وہاں درجات کی ترقی وتنزلی، ایمان وعمل کے مطابق ہوتا ہے۔اس لئے امور آخرت میں یہ ضروری نہیں کہ مرد کا ہی درجہ عورتوں سے بلند رہے۔یہ بھی ہوسکتا ہے اور حسب تصریح آیات وروایات صحیحہ ایسا بھی ہوگا کہ بعض عورتیں اپنی اطاعت وعبادات کے ذریعے سے بہت سے مردوں پر فائق ہوجائیں گی اور ان کا درجہ بہت سے مردوں سے بڑھ جائے گا۔''(معارف القرآن۔ج/۱۔ص:493)

لہٰذا وہ بڑا ہی خوش نصیب انسان ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت جسے اللہ حج کے لئے اپنا گھر بیت اللہ بلاتا ہے اور اپنے پیارے حبیب کے روضۂ مبارک کی دیدار کراتا ہے۔حج ایک ایسی عاشقانہ عبادت ہے کہ یہ ایک وقت میں بدنی، مالی اور روحانی تینوں چیزوں پر مشتمل ہے۔یہ خصوصیت کسی اور عمل کو حاصل نہیں ہے۔جو اس کی ادائیگی میں تاخیر کرے اس کے لئے اللہ اور اُس کے رسول نے سخت وعیدیں سنائی ہیں۔

حج محبت اور عشق کا سفر اور روحانی سیر ہے جو اسباب سے زیادہ ذوق وشوق اور قلبی تڑپ کے ساتھ توفیق الٰہی سے طے ہوتا ہے۔یہ سفر قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتا ہے:

جسے چاہا در پہ بلالیا، جسے چاہا اپنا بنالیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے، یہ بڑے نصیب کی بات ہے
نہ کہیں سے ہیں دور منزلیں، نہ کوئی قریب کی بات ہے
جب چاہیں اس کو نواز دیں، یہ درِ حبیب ﷺ کی بات ہے
(منور بدایونی)

بقول ڈاکٹر اظہر محمد حیات: ''سفر حج رحمتوں، رفعتوں اور برکتوں کا ایسا ایمان افروز سفر ہے کہ دنیاوی مقاصد کے لئے کی جانے والی ہر مسافت اس کے مقابلے کم تر وکم حیثیت ہے۔اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر پختہ یقین اور اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ایک مسلمان کے علم وعمل میں جاگزیں ہوتو یہ بابرکت سفر راحت جاں اور طمانیت قلب کا

باعث بن جاتا ہے۔ کچھ رکاوٹیں، کچھ آزمائشیں، کچھ مشقتیں راہ میں حائل ہوں تو جادۂ عشق مصطفی کے مسافروں کا ذوق وشوق مزید ولولہ انگیز بن جاتا ہے۔ سفرِ حج تو دراصل ربِّ کعبہ کے اختیار میں ہے جسے چاہتا ہے بلا بھیجتا ہے۔ بندہ اسی بلاوے پر لبّیک کہہ کر چل پڑتا ہے۔ (لبیک: ڈاکٹر محمد اظہر حیات، ص:12)

شاعر نے صحیح کہا ہے:

وہی لوگ لائق رشک ہیں جو یہ کام خیر کر گئے
وہ جو عازمین حرم ہوئے، وہ جو اپنے مولا کے گھر گئے
(شہزاد امجدی)

مذہب اسلام نے تو حج کو عورتوں کا جہاد قرار دیا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کرنے پر کہ کیا ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہو سکتے ہیں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگوں کے لئے سب سے اچھا اور خوبصورت جہاد حج مبرور ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق بوڑھے، بچے، کمزور اور عورت کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔ (عورت اور اسلام: مولانا سید جلال الدین عمری، ص:73-72)

عازم حج چاہے مرد ہو یا خاتون دونوں چشمۂ رحمت سے سیراب ہو کر آتے ہیں جس کی مٹھاس برسوں اور بعض تا دمِ حیات محسوس کرتے رہتے ہیں اور وہاں کی حسین یادیں دل میں اور منظر کا آنکھوں میں بسائے رکھتے ہیں۔ بعض اللہ والے اور اللہ والیوں کا یہ حال بھی ہو جاتا ہے:

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی
(لالہ موہن رام موجی)

یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ حج کے دوران جو کیفیات مرد کے ہوتے ہیں وہی کیفیات خاتون کی بھی ہوتی ہیں اور جب اس کے چرچے دوسرے سے کرتے ہیں تو ان کے قلوب کے اندر بھی حج کی بے تابیاں جاگ اُٹھتی ہیں۔ ان خوش نصیبوں میں چند ایسے بھی ہوتے ہیں جو حج کے دوران کے احساسات، محسوسات، کیفیات، تاثرات، جذبات، تجربات اور مناظر کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرنے کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں جسے ''حج کا سفرنامہ'' کہا جاتا ہے۔ حقیقت تو یہ بھی ہے کہ حج کا سفرنامہ لکھنے کی سعادت ہر کسی کو نہیں ہوتی ہے چاہے وہ کتنا بڑا ادیب ہو، انشاء پرداز ہو، زبان و بیان کا ماہر ہو چاہے وہ مفتی یا عالم ہی کیوں نہ ہو۔ حج کے سفرنامہ نگاروں کی سعادت کے بارے میں **مولانا خلیل الرحمن سجاد ندوی** لکھتے ہیں:

'' پھر جسے اس عشق و محبت کے ساتھ قلم کی شکل میں ''عصائے کلیمی'' بھی مل جائے تو وہ اس کی ضرب کلیمی سے یہ دولت دوسروں پر بھی لٹاتا ہے اور نہ جانے کتنے ایسے لوگوں کی آتش شوق کو تیز کر دیتا ہے جن کے مشتاق اور شوقِ حضوری سے ئیٔ بیقرار دل کسی حُدی خواں کا نغمہ سننے کے لئے بیتاب رہتے ہیں:

کس نے زنجیر کیا حرف کی آزادی کو
کس نے کاغذ کو زباں کماں بخشی
(تجلیات حرمین از اُمِّ ہانی، ص:29 اور 32)

نبیلہ رفیق حج کے سفرنامے کے بارے میں لکھتی ہیں:

''عشق خدائے عز وجل، عشق محمد ﷺ، محبت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ کا تقاضا ہے کہ ان ہستیوں سے وابستہ تمام مقامات

اور ماضی میں گزرے ہوئے واقعات کو یاد بھی کیا جائے اور تحریر بھی کیا جائے۔'' (سفر نامہ حج: نبیلہ رفیق، ص:13)

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر سفر نامہ نگار کا اظہار تاثر مختلف ہوتا ہے۔ ہر ایک اپنی ذاتی کیفیات اور قلبی تاثرات کو دوسرے سے مختلف پیرائے میں پیش کرتا ہے۔

مولانا انصار احمد معروفی نے حج کے سفر نامے کے سلسلے سے بڑی اچھی بات کہی ہے:

''ایک ہی واقعہ اور ایک ہی منظر کو انسان الگ الگ انداز سے دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے، جو انسان کے مختلف المزاج ہونے اور واقعات سے جدا جدا سبق وعبرت پذیری کی نشان دہی کرتا ہے۔ اب سفر نامہ حج وعمرہ کے مشاہدات و تاثرات اور دلی کیفیات کا اگر اندازہ لگانا ہے تو آپ حج کے مختلف سفر ناموں کا مطالعہ کریں جس سے احساس ہوگا کہ اللہ نے ہر ایک قلم کار کے اخذ واکتساب اور اس کے وسیلہ اظہار کے اسلوب کو کتنا ایک دوسرے سے منفرد رکھا ہے، جب کہ وہ اپنی اپنی جگہ مکمل بھی ہے اور قابل استفادہ بھی۔ جس طرح ہر ایک کا اندازِ تکلم اور وسیلۂ بیان وطریقہ گفتگو لگ الگ ہوتا ہے یوں ہی اس کے اندازِ تحریروں میں نمایاں فرق بھی ہوتا ہے۔ (سوئے حرم چلئے از عبدالودود انصاری : مبصر: انصار احمد معروفی)

حج کا سفر نامہ لکھنے کے دو اہم مقاصد ہیں: اول غیر عازم حج کے اندر حج کا شوق اور تڑپ پیدا کرنا اور دوسرا عازم حج کی صحیح رہنمائی کرنا۔

حج اور عمرے کے سفر ناموں کی تاریخ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ حج کے سفر نامے لکھنے کی سعادت مرد اور خاتون دونوں کو ہے یعنی حج کے سفر ناموں کے ارتقا میں مردوں کے ساتھ خواتین سفر نامہ نگاروں کا بھی اہم کردار رہا ہے گو خاتون سفر نامہ نگار کی تعداد کم ہے جن میں چند نام **نواب سکندر بیگم** (تاریخ وقائع)، **صادقہ ذکی** (خیموں کی شہر میں)، **اُمّ ہانی** (تجلیات حرمین)، **امیر النساء** (ارض مقدس میں چند روز)، **زہرہ بتول** (سفر نامہ حجاز و ایران)، **صغریٰ مہدی** (میخانوں کا پتہ)، **فاطمہ بیگم** (اپنے گھر سے اللہ کے گھر تک)، **راحیل شیروانیہ** (زاد السبیل)، **نور النساء** (سفر نامہ حجاز)، **انو سلطانہ ملک** (زیارت حرمین شریف)، **صوفیہ کاشف** (سفر حجاز)، **نبیلہ رفیق** (سفر نامہ حج)، **خدیجہ نثار** (حج کا سفر نامہ)، **ڈاکٹر عذرا عثمانی** (حضور پھر آپ نے بلایا)، **ڈاکٹر فوزیہ سلیمی** (حاضری)، **ممتاز چھٹہ** (جلال و جمال)، **کنیز محمد بیگم** (ارض مقدس)، **ثریا جبیں** (میں موت ڈھونڈ رہی ہوں زمینِ حجاز میں)، **مسرت جہاں** (خوشبوؤں کے دیش میں محبت کا سفر)، **خدیجہ ریاض** (دیارِ حرم میں اکتالیس روز)، **صوفیہ صابری** (سفر لبیک) اور **فاطمہ بیگم** (حج بیت اللہ۔ زیارت ودیارِ حبیب) وغیرہ ہیں جنہوں نے اللہ کے عشق اور حُب رسول میں ڈوب کر سفر نامے لکھی ہیں۔ آپ یقین کریں کہ ان سفر ناموں میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت و عشق کا ایسا اظہار ہے جو قاری کو عرصہ تک ایک عجیب سی سرشار کی کیفیت میں چھوڑ دیگا اور آپ آنکھوں سے اشک بہانے پر مجبور ہو جائیں گے اور پڑھنے کے دوران ایسا لگے گا کہ آپ بھی مکہ و مدینے کے مقدس مقامات کے سامنے ہیں۔ آیئے ایسے چند خواتین کے لکھے ہوئے ''حج عمرے کے سفر ناموں'' پر سیر حاصل بحث کی جائے:

1۔نواب سکندر بیگم : (تاریخ وقائع : 1864)

آپ کی پیدائش 10 ستمبر 1817 کو ہوئی۔ آپ ریاست بھوپال کی دوسری بیگم بھوپال یعنی دوسری خاتون

حکمراں تھیں۔آپ نے ممتاز علماؤں سے تعلیم حاصل کیں۔ آپ نے 1841 میں فریضۂ حج کی سعادت کیں۔آپ کی وفات 30 اکتوبر 1868 ہوئی۔

تاریخ کی کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ خواتین کا پہلا حج کا سفر نامہ ''تاریخ وقائع'' آپ نے ہی تصنیف کی ہیں جو اشاعت سے محروم رہا۔اس کا ایک قلمی نسخہ رام پور(یو پی) کی مشہور و معروف عظیم الشان ''رضا لائبریری'' میں آج بھی محفوظ ہے۔یہ سفر نامہ 1864 میں لکھا گیا۔کسی بھی خاتون حکمراں کے تصنیف کردہ یہ پہلا حج کا سفر نامہ ہے۔کیا ہی بہتر ہوتا کہ اس کی کمپیوٹر کمپوزنگ کر کے کتابی شکل دی جاتی تو اس تجلیات اور برکات سے لوگ فائدہ اُٹھاتے۔

حیرت کی بات یہ کہ اس کا انگریزی ترجمہ **A Princess' Pilgrimmage** نام سے ان کی وفات کے بعد 1870 میں شائع ہوا جس کا ترجمہ **Emma Laura Willoughby Osborne** نے کیا۔کتاب کے صفحات 250 ہیں۔اس کا تازہ اڈیشن 2007 میں Siobhan Laber Hurley نے نئی ترتیب دے کر Women Unlimited کے ذریعہ شائع کیا ہے۔

2. **نواب سلطان جہاں بیگم** : (**سفر نامۂ حجاز** : 1911)

آپ کی پیدائش 29 جولائی 1838 کو ہوئی۔آپ کا پورا نام شاہ جہاں بیگم ہے۔آپ والیہ ریاست بھوپال تھیں۔آپ اپنی انتظامی قابلیت، تعلیم نسواں کی حمایت، تعلیم کے فروغ اور داد و دہش کی وجہ سے بے حد مشہور تھیں۔آپ کا انتقال 16 جون 1901 کو ہوا۔آپ کا لکھا ہوا سفر نامہ ''سفر نامہ حجاز'' بہت مقبول ہوا۔

3. **نشاط النساء بیگم** : (**سفر نامہ حجاز و عراق**)

آپ حسرت موہانی کی بیگم ہیں۔آپ نے اپنے حج 1935 کے دوران کا سفر کا احوال اپنی بیٹی نعیمہ کو خطوط کی شکل میں لکھی تھیں جسے حسرت موہانی نے پہلے شائع کیا۔اس کے بعد اس کا نیا ایڈیشن 1981 میں مکتبہ جامعہ لیمیٹید، دہلی نے شائع کیا۔

4. **فاطمہ بیگم** : (**حج بیت اللہ زیارت دیارِ حبیب**: 1959)

آپ جناح اسلامیہ گرلز ہائی اسکول، لاہور کی پرنسپل تھیں۔آپ کا سفر نامہ ''حج بیت اللہ زیارت دیارِ حبیب'' 1959 میں شائع ہوا۔کتاب کے صفحات 388 ہیں۔

5. **امتہ الغنی نور النساء** : (**سفر نامہ حجاز ،شام و مصر** : 1996)

آپ کی پیدائش 1885 میں ہوئی۔آپ نے 1909 میں حج و زیارت کے علاوہ شام، مصر اور فلسطین کا سفر کیا۔انہوں نے پہلے اپنا سفر نامہ روز نامچہ کی شکل میں لکھا۔آپ کی وفات 1915 میں ہوئی۔

آپ کا سفر نامہ ''سفر نامہ حجاز، شام و مصر'' کے نام سے 1996 میں ورلڈ ماسٹر کمپیوٹر پبلی کیشنز، حیدر آباد نے شائع کیا۔کتاب کے 78 صفحات ہیں۔

6. **صادقہ ذکی** : (**خیموں کے شہر میں** : 1998)

آپ کی پیدائش 13 جنوری 1939 کو ہوئی۔آپ ایک مثالی استاد، بہترین منتظم، نامور ادیب اور اعلیٰ سیرت کی

مالکہ تھیں۔آپ مارچ 1997 میں حج کو گئیں اور 30 اپریل 1997 کو واپس ہوئیں۔آپ کا سفر نامہ ''خیموں کے شہر میں'' بطور ضمیمہ 3 اگست 1997 سے 12 جنوری 1998 تک ''قومی آواز'' میں شائع ہوتا رہا۔اس کی دو قسطیں ماہنامہ ''انشاء'' میں بھی شائع ہوئیں۔اس کے بعد 1998 میں یہ سفر نامہ بنام ''خیموں کے شہر میں'' کتابی شکل میں منظر عام پر آیا جس کے ناشر'' مکتبہ جامعہ لیمیٹیڈ ،نئی دہلی'' ہیں۔کتاب کے صفحات 98 ہیں۔

7۔رخسانہ نکہت لاری (اُم ھانی) : (تجلیات حرمین : 1986)

آپ کا اصل نام رخسانہ نکہت لاری ہے۔آپ کی پیدائش 7 ستمبر 1953 کو بھٹنی،ضلع دیوریا، بہار میں ہوئی۔ آپ عربی ادب میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی سند حاصل کیں۔آپ کرامت حسین ڈگری کالج ،لکھنؤ میں پرنسپل کی عہدہ پر فائز تھی۔شاعری اور نثر نگاری دونوں میں طبع آزمائی کرتی تھیں۔اسلامی مضامین کے علاوہ حمد و نعت بھی لکھتی تھیں اور والہانہ انداز میں پڑھتی بھی تھیں۔آپ کا مجموعہ نعت ''نیم شبی'' شائع ہوا۔آپ کے مضامین رسالہ رضوان، الحسنات' حجاب اور بتول وغیرہ کی زینت بنے۔آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کے خواتین شعبہ سے بھی منسلک رہیں۔آپ نے 1984 میں فریضۂ حج کا شرف حاصل کیں۔آپ نے 14 اپریل 2021 میں وفات پائی۔

آپ کا سفر نامہ حج ''تجلیات حرمین'' کا پہلا ایڈیشن 1986 میں شائع ہوا۔اس کے بعد اس سفر نامہ کو 1992 میں انڈیا میر اکاڈمی ،لکھنؤ نے شائع کیا۔کتاب کے صفحات 75 ہیں۔

8۔ایے امیر النساء (ارض مقدس میں چند روز :2001)

آپ کی پیدائش 14 اپریل لوتامل ناڈو کے شہر گڈیاتم میں ہوئی۔آپ مشہور افسانہ نگار اور ناول نگار تھیں۔آپ وفات پا چکی ہیں۔

آپ کے عمرے کا سفر نامہ ''ارض مقدس میں چند روز'' انشا پبلی کیشنز،کولکتہ نے 2001 میں شائع کیا۔دراصل اس کتاب میں سات صفحات (78 تا 84) عمرے کے سفر کے بارے میں مضمون ہے اور باقی عمان، بغداد، عراق، یروشلم اور قاہرہ کے سفر سے متعلق مواد ہیں۔کتاب کے صفحات 98 ہیں۔

9۔صغریٰ مہدی (میخانوں کا پتہ : 2005)

آپ کا اصل نام امانت فاطمہ ہے۔آپ کی پیدائش 8 اگست 1937 کو بھوپال میں ہوئی۔آپ مایہ ناز ادیبہ، افسانہ نگار، ناول نگار اور انشاء پرداز تھیں۔آپ 17 مارچ 2014 کو وفات پائیں۔

آپ نے 1977 تا 2001 کئی ممالک مثلاً سعودی عرب(مکہ اور مدینہ)،امریکہ، جاپان، عراق، ایران، انگلینڈ اور بینکاک وغیرہ کا سفر کیا اور ان ممالک کے سفر ناموں کو ''میخانوں کا پتہ'' دے کر یکجا کیا۔کتاب کو مدھیہ پردیش اردو اکاڈمی نے 2005 میں شائع کیا۔اس کتاب کے شروع کے 1 تا 23 صفحات میں مدینہ اور مکہ میں عمرے کی تفصیلات شامل ہیں۔کتاب کے صفحات 102 ہیں۔

10۔نبیلہ رفیق (سفر نامہ حج : 2020)

آپ کی پیدائش 1957 میں پاکستان کے شہر جھنگ، پنجاب میں ہوئی۔آپ نے پنجاب یونیورسٹی ،لاہور سے

فلسفہ میں ایم اے کی سند حاصل کیں۔آپ 1996 سے ایک اسکول میں معلّمہ ہیں۔آپ اردو دنیا کی مشہور ادیبہ اورشاعر ہیں۔ان کی تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ابھی آپ کا تعلق ناروے سے ہے۔آپ نے 2002اور 2009 میں دو بار عمرے کی سعادت حاصل کی ہیں۔اس کے بعد 2014 میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ کا تحریر کردہ سفرنامہ ''سفر نامۂ حج''، مع رنگین نقشہ جاتی 2020 میں امرتسر سے شائع ہوئی۔کتاب کے صفحات 247 ہیں۔

11۔صوفیہ کاشف (سفر حجاز)

آپ ابوظہبی میں مقیم ہیں اور مختلف اخبارات اور بلاگنگ ویب سائٹ کے لئے لکھتی ہیں۔آپ نے اپنے عمرے کے سفرنامے کی تفصیل ''سفر حجاز: اے سانس ذرا تھم، ادب کا مقام ہے۔'' کے عنوان سے بڑے خوبصورت انداز اور نہایت ہی حسین پیرائے میں لکھا ہے۔

12۔راحیل شیروانیہ (زادِ السبیل 1929/1930)

آپ نے 1923 میں حج کی سعادت حاصل کیں۔ اس کے بعد بیت المقدس، شام اور عراق کی سیاحت بھی کیں۔آپ کی یہ کتاب 338 صفحات پر مشتمل ہے جس میں آخری 124 صفحات بیت المقدس، شام اور عراق کے سفر کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔یہ کتاب 1929 یا 1930 میں شائع ہوئی ہے۔

13۔فاطمہ بیگم (اپنے گھر سے اللہ کے گھر تک)

یہ کتاب آستانہ بُک ڈپو، دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

اب چند ایسی خواتین کا ذکر کیا جارہا ہے جس کا تعلق پاکستان سے ہے:

14۔ممتاز چھٹہ (جلال و جمال: 2000)

یہ سفر نامہ ابلاغ پبلی کیشنز، لاہور (پاکستان) سے 2000ء میں شائع ہوا۔

15۔ڈاکٹر فوزیہ سلیمی (حاضری: 1995)

یہ سفر نامہ فیروز بُک سنٹر، لاہور (پاکستان) سے 1995ء میں شائع ہوا۔

16۔ثریا جبیں(میں موت ڈھونڈتی ہوں زمینِ حجاز میں: 1980)

یہ سفرنامہ ملتان (پاکستان) سے 1980 میں شائع ہوا۔

17۔مسرت جہاں(خوشبوؤں کے دیس میں محبتوں کا سفر:1988)

یہ سفر نامہ ادارۂ ابلاغ، پاکستان سے 1988ء میں شائع ہوا ہے۔

18۔خدیجہ ریاض (دیارِ حرم میں اکتیالیس روز: 1998)

یہ سفرنامہ بیکن بکس، ملتان (پاکستان) سے 1998 میں شائع ہوا۔

19۔صفیہ صابری (سفر لبیک: 1990)

یہ سفرنامہ نعت اکاڈمی، فیصل آباد (پاکستان) سے 1990 میں شائع ہوا۔

20۔فاطمہ بیگم (حج بیت اللہ و زیارت دیارِ حبیب: 1959)

یہ سفرنامہ کتب خانہ پیسہ بازار، لاہور (پاکستان) سے

1959 میں شائع ہوا۔

یہ تھے چند خواتین کے حج وعمرے کے سفرناموں کا اجمالی تعارف۔ان کے علاوہ کئی خاتون ہیں جنھوں نے حج کے سفرناموں میں اپنے قلم کا جوہر دکھائی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خواتین مذہب اسلام کے رکن کی ادائیگی میں مردوں سے کم تر نہیں اور جس طرح ایمانی جوش وخروش مردوں میں ہیں اسی طرح کا خاتون کے اندر بھی ہیں۔جس طرح مرد حضرات حج کے دوران کے احساسات اور کیفیات کو زیر قلم میں لاتا ہے اسی طرح خواتین بھی اس عنوان پر خامہ فرسائی کر سکتی ہیں۔ راقم کی تمنا ہے کہ ہر پڑھی لکھی خاتون خاص کر ادیب وشاعر جو عازم حج ہوتی ہیں وہ واپسی پر حج یا عمرے کا سفرنامہ لکھیں، ہوسکتا ہے کہ ان کے سفرناموں کے کسی جملے سے غیر عازم بھی عازم حج ہو جائیں جو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بھی ہوگا اور پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کے لئے تحفہ نذرانہ بھی۔

21۔**امینہ مہالاتی** نے انگریزی میں ایک حج کا سفرنامہ مرتب کیا ہے:

Women as Pilgrim: Memoirs of Iranian Women Travellors to Mecca By Amineh Mahallati امینہ مہالاتی کی پیدائش ایران کے شہر شیراز میں ہوئی۔ آپ نے اپنی تعلیم ایران اور امریکہ میں مکمل کیں۔ابھی آپ پرنسٹن یونیورسٹی، امریکہ میں لکچرر کے عہدہ پر فائز ہیں۔آپ نے اس سفرنامہ میں ایرانی خواتین جنھوں نے حج کی سعادت پائیں، ان کے مشاہدات اور تجربات کو انگریزی کے قالب میں ڈھالی ہیں۔

شاعر جلیل نظامی۔حیدرآباد دکن

نعت رسول مقبول ﷺ

چمک اٹھا در غار حرا، روح الامیں آئے
ہوئے کون ومکاں روشن، جو شمس الاولیں آئے
مبشر، منذر و داعی، امین و صادق و ہادی
یہ سب اوصاف لے کر، رحمۃ للعالمیں آئے
مٹانے کفر کی تاریکیوں کو، کوہ فاراں سے
اتر کر، صحن کعبہ میں اجالوں کے نگیں آئے
مقدر کا سکندر، اہل ایماں اس کو کہتے ہیں
میسر شہر طیبہ میں جسے دوگز زمیں آئے
خیال سبز گنبد سے، ہری کھیتی ہو جس دل کی
نظر میں اس کی کیا شادابیٔ خلد بریں آئے
کلیم اللہ کو غش آگیا تھا جس تجلی سے
ملا کر آنکھ اس سے عرش پر، سالار دیں آئے
عمر معجز نظر سے آپ کی فاروق ہو بیٹھے
گئے تھے جان لینے، دے کے دل صد آفریں آئے
سر محشر پڑی تھی جب سبھی کو اپنی بخشش کی
وہاں ''یا امتی'' کہتے، شفیع المذنبیں آئے
تمنا جن کے آنے کی رہا کرتی تھی نبیوں کو
جلیل آخر وہ دین حق کے سچے راہ بیں آئے

ہندو مصنفین کی سیرت نگاری — ایک تجزیاتی مطالعہ (۲)

(۲) عرب کا چاند

سوامی لکشمن پرشاد نے اپنی زندگی کی صرف چھبیس بہاریں ہی دیکھیں؛ چنانچہ وہ ۱۹۳۹ء میں چھبیس سال کی عمر میں وفات پاگئے، سوامی جی دنیا کی مایہ ناز عظیم شخصیتوں کی سوانح حیات مرتب کرنا چاہتے تھے؛ لہٰذا ان کے قلم گوہر رقم نے سب سے پہلے رحمۃ للعالمین ﷺ کی شخصیت کا انتخاب کیا؛ چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

متذکرہ بالا خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے دنیا کی ان عظیم المرتبت اور نادرہ روزگار ہستیوں کے حالات بابرکات کو صفحہ قرطاس پر لانے کا ارادہ کرلیا ہے، جنہوں نے دنیا کی جہالت کی شب تاریک میں علم وعرفان کی ضیاپاشیوں سے روشنی پھیلائی اور اپنے اصول کے مذبح پر اپنی زندگی کے تمام عیش وعشرت کو بے دریغ قربان کردیا۔ دنیا کی ان جلیل القدر ہستیوں میں جن کے اسمائے گرامی ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیے جا سکتے ہیں، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، سید المرسلین، خاتم النبیین، باعث فخر موجودات، سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ علیہ الصلاۃ والتسلیم کو کئی اعتبار سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے؛ اسی لیے میں نے سب سے پہلے اسی قابل تعظیم، فخر روزگار ہستی کی حیات مطہرہ کے حالات قلم بند کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ (۱۵)

کتاب کا تعارف

یہ کتاب (۴۱۹) صفحے پر مشتمل ہے، ۱۹۳۲ء میں لکھی گئی ہے، اس کے دو حصے ہیں: پہلے حصے میں مکی دور کے احوال درج ہیں اور دوسرے حصے میں مدنی زندگی کے واقعات قلم بند کیے گئے ہیں۔ دونوں حصوں کے چند عناوین ملاحظہ فرمائیں: دنیا کے مطلع پر جہالت کی گھنگھور گھٹائیں، شمع حرم کی شعاع ریزیاں، نور محمدی کی برکات عظیمہ، حضور انور کی آفرینش کی صبح درخشاں، ازدواجی زندگی کا مہکتا ہوا گلشن، نقش حیات، ہجرت کی تیاریاں، کفار کی عیارانہ چالوں کا ایک ادنیٰ نمونہ، خیبر کے یہودیوں کی شرانگیزیاں۔

صرف عناوین کی ساخت اور ان میں الفاظ کے انتخاب سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عشق ومحبت میں ڈوب کر اور قلم کو ادب سے معطر کرکے اس کتاب کا ایک ایک لفظ جڑا گیا ہے؛ چناں چہ اس کتاب کی دو بڑی اہم خوبیاں ہیں:

(۱) اس میں رسول اللہ ﷺ کے معجزات کو بھی بلاکم وکاست بیان کیا گیا ہے اور جنگی واقعات کو بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ذکر کیا گیا ہے؛ جبکہ اول الذکر کو غیر مذہب کے حضرات توہمات پر محمول کرتے ہیں اور ثانی الذکر پر قلم چلاتے ہوئے بعض مسلمان محققین بھی معذرت خواہانہ انداز اور دفاعی پوزیشن میں آجاتے ہیں یا بے جا تاویل کا دامن تھامنے لگتے ہیں۔

(۲) کتاب کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اردو زبان وادب کا ایک انمول شاہکار ہے، حسین ادبی پیرہن میں اسے ملبوس کیا گیا ہے، الفاظ کا انتخاب، جملوں کی

ساخت اور زبان کی سلاست اثر آفریں اور سحر انگیز ہے، پہلی مرتبہ کسی ہندو مصنف نے سیرت نبوی کو اتنے خوبصورت پیرایہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے؛ بلکہ معمولی؛ مگر بنیادی تصرف کے بعد اگر مولف کے الفاظ میں کہوں تو یہ کتاب:

ادب وتاریخ کے امتزاج کا وہ دل فریب مرقع ہے، جس کی روح نواز تصویر مولف نے عالم تصور میں تخیل کے مو قلم کی نگار آرائیوں سے تیار کی تھی، جہاں یہ کتاب گلہائے ادب کا دل پذیر گلدستہ ہے، وہیں تاریخی حقائق کا بصیرت افروز مجموعہ ہے،مولف نے شیدایان جمال مصطفوی اور سوختہ دلان جلوہ احمدی کی خدمت اقدس میں حضور انور ﷺ سے اپنے عشق جنوں نواز کی ایک دل دوز داستان کا ایک حسین ورق بطور نذر پیش کیا ہے۔

چنانچہ سوامی جی نے کتاب کو زبان کی پختگی و شائستگی، تشبیہ واستعارہ کی فراوانی، اسلوب کی دل آویزی، تخیل کی بلندی اور الفاظ کی کامل مہارت سے اپنی مثال آپ بنایا ہے، کتاب کی ابتداء میں جو ادبی اسلوب اختیار کیا ہے، آخر تک اسی انداز میں ڈھالا ہے، پوری کتاب میں کہیں زبان کی گرفت ان سے نہیں چھوٹی ہے۔ یہ کتاب اپنا مخصوص ادبی مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ تاریخی حقائق کے بیان کرنے میں بھی بالعموم کتب تاریخ وسیرت سے انحراف نہیں کرتی۔ یہ کتاب لوازمات سیرت نگاری سے متصف ہے؛ لیکن کتاب میں ماخذ کے حوالے کم ہیں،صرف روضۃ الاحباب، ولیم میور اور کارلائل کی کتب کے نام ہیں۔

سوامی جی کا مقصد اس کتاب کے ذریعہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو جھنجھوڑا جائے،ان کے خوابیدہ،افسردہ، بے حس اور منجمد دلوں میں احساسات تازہ کیے جائیں اور اس بات کا یقین دلایا جائے کہ بنی نوع انسان کے لیے قابل اتباع اور نظام حیات کا عملی نمونہ حضرت محمد ﷺ کی سیرت مبارکہ ہے۔(۱۶)

معجزات کے حوالے سے مولف کا نظریہ درج ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

حیرت انگیز واقعات، استعجاب انگیز کرشمے، خوارق عادت باتیں یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو کم وبیش دنیا کے ہر بڑے مذہبی اور روحانی پیشوا کے دامن کے ساتھ وابستہ ہیں۔ممکن ہے بہت صورتوں میں ان پر عقیدت مندوں کی مبالغہ آفرینی کا رنگ بھی چڑھ گیا ہو؛ مگر ان کی تہہ میں صداقت موجود ہے،اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔(۱۷)

کتاب کے حوالے سے سوامی جی خود لکھتے ہیں:

> ’’میں نے جو کچھ لکھا ہے،اپنے ضمیر کی روشنی میں لکھا ہے، کسی فرد بشر یا کسی قوم کی خوشنودی کی خاطر اپنے ضمیر کو دھوکا نہیں دیا ہے، میں اس کتاب کا حق پوری طرح ادا کرنا چاہتا ہوں کہ عرب کے چاند میں خاتم النبیین کی حیات مبارکہ کو رقم طراز کر سکوں۔ میں بھی عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہوں اور انسانی کمزوریوں اور لغزشوں سے مبرا نہیں ہوں۔اس لیے میں نے اپنی جانب سے اس کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔‘‘(۱۸)

(۳) سیرت رسول عربی

سردار گوردت سنگھ صاحب دارا بیرسٹر وایڈیٹر اخبار ہند لندن کی یہ کتاب ہے، کتاب کی کل ضخامت ۱۲۴ صفحات ہیں، یہ کتاب ۱۹۱۴ء میں لکھی گئی ہے؛ لیکن ۱۹۲۴ء کی اشاعت ہمارے زیر مطالعہ ہے، کتاب کا آغاز فارسی کے دوشعر سے ہوتا ہے،اس کے بعد مولف رسول اللہ ﷺ کی شان میں اپنی

عقیدت کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

ایک صاحب کمال آیا، جس نے جلوۂ حق دکھایا، جس کسی نے اسے پریم کی انکھڑیوں سے دیکھا، اس کی تمنائے زندگی پوری ہوگئی، جس کی نگاہ شوق اس پر پڑ گئی اسے منھ مانگی مراد مل گئی، جس بشر کو اس موہن نے اپنا درشن دیا اس کے جنم بھر کا پاپ کٹ گیا۔ (۱۹)

کتاب میں جگہ جگہ فارسی اور اردو کے اشعار ہیں، جن کے ذریعہ مولف نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں خراج عقیدت پیش کیا ہے اور اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کیا ہے۔

کتاب کی زبان عشق ومحبت میں ڈوبی ہوئی اور عقیدت ووارفتگی کی موج کوثر میں دھلی ہوئی ہے، وہ ایک بچھڑے ہوئے محبوب کی طرح رسول اللہ ﷺ کو یاد کرتے ہیں؛ چنانچہ ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں:

اے ہمالہ کی بلند چوٹیوں! تم ہی کچھ کہو، سینکڑوں رشیون نے تمہاری شفقت اور پیار کی گود میں نواس کیے، صدہا جوگیوں نے تمہارے پہلو سے محبت میں جوگ کمائے، ہزاروں نپیشروں نے تمہاری آغوش الفت میں تپ دھارے، لاکھوں گوروں سدھوں نے تمہارے ہاں چرن کنول ڈالے؛ مگر سچ کہنا، کہیں دیکھا ہو تم نے وہ مکہ کا راج دلارا، کہیں نظر پڑا ہو تمہیں وہ مدینہ کا پیارا۔ (۲۰)

الغرض پوری کتاب اسی عشق کی زبان اور اسی محبت کے پیرایہ میں رقم کی گئی ہے۔ کتاب کل تین ابواب میں منقسم ہے:

پہلے باب میں عرب کی سماجی زندگی سے شروع ہو کر حضرت خدیجہ سے مناکحت پر ختم ہوتا ہے، حضرت خدیجہ سے تعلق اور مناکحت کو قدرے تفصیل اور ادبی زبان میں بیان کیا گیا ہے، اگرچہ اس ادب کی وجہ سے کہیں کہیں بعض الفاظ غیر مناسب آ گئے ہیں، جیسے حضرت خدیجہ اور رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی تعلقات کے ذکر میں آپ ﷺ کے لیے ''رنگیلا، رسیلا جوان'' کی تعبیر لائی گئی ہے۔

باب دوم حضرت زید بن حارثہ کے حالات سے شروع ہو کر ہجرت مدینہ اور مدینہ میں اذان کی ابتداء کے مضمون پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

باب سوم کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی اہل مدینہ میں دعوت اخوت ومحبت، قومیت اور اتحاد واتفاق سے ہوتا ہے اور حجۃ الوداع اور رسول اللہ ﷺ کی رحلت پر ختم ہوتا ہے۔

کتاب ایک طویل مرثیہ پر ختم ہوتی ہے، جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت
ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت
نبی نے کیا خلق سے قصدِ رحلت

اور اس کا آخری بند ہے:

سیدی انت حبیبی وطبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درمان طلبی (۲۱)

محل نظر مقامات

سردار جی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ولادت باسعادت کے بعد عبد المطلب آپ ﷺ کو خانہ کعبہ لے گئے، وہاں موجود بتوں کو سجدہ کیا، ان کا شکر ادا کیا اور ان سے بچہ کی طویل عمر کے لیے دعا مانگی، جو بالکل بے سند اور غلط ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''مطابق رسم ورواج عرب کے اب بچہ کو خانہ کعبہ لے

جاتا تھا، چنانچہ عبد المطلب نے اسے گود میں لے لیا اور طواف کے لے چلا، حرم محترم میں پہنچ کر بزرگ نے ان سلوں کو سجدہ دیا اور بتوں کے آگے سر جھکایا اور ان کے حضور میں دعا مانگی کہ اے بتو! میرا بخت خفتہ بیدار ہوا، میرا بھولا بھٹکا نصیب یاور ہوا، جو میرے بیٹے کے گھر بیٹا ہوا، اے مندر کی مورتیوں، میرے بچہ کو حیات بخشیو اور اس کی عمر دراز کی جیو۔'' (۲۲)

سردار گوردت سنگھ نے بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لڑکپن سے ہی غار حرا جا کر خلوت نشینی کرتے تھے؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''آپ کی طبیعت میں لڑکپن ہی سے یہ عادت موجود تھی کہ آپ آبادی سے دور کسی گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھتے اور من بچار کرتے رہتے؛ بالعموم غار حرا میں آپ کا جانا ہوا کرتا تھا۔'' (۲۳)

پہلی وحی کے بیان میں ان کے اسلوب سے لگتا ہے کہ نہ جبرئیل آئے اور نہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل کو دیکھا؛ بلکہ وحی کے تمام مضامین غیب سے آنے والی ایک انجانی آواز کی شکل میں تھے؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ایک دن حسب معمول آپ غار حرا میں بیٹھے سوچ میں محو تھے کہ ناگاہ ایک آواز غیب سے آئی کہ اے محمد پڑھ، آپ نے جو ہیں سنا کہ گھبرا گئے کہ یہاں نہ آدم ہے اور نہ آدم زاد، یہ کیا ماجرا ہے!'' (۲۴)

(۴) حضرت محمد اور اسلام

پنڈت سندر لال کا منصوبہ یہ تھا کہ دنیا بھر کے دھرم، مذہب اور کلچر پر ایک ضخیم کتاب مرتب کی جائے، اسی منصوبہ کے ضمن میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت لکھی؛ لیکن اس کی اہمیت، ضرورت اور مطالبہ کی وجہ سے اسے الگ کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔

کتاب ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کے آغاز میں عرب کے جغرافیائی، تہذیبی، مذہبی اور سیاسی احوال بیان کیے گئے ہیں، پھر رسول اللہ کی ولادت باسعادت، جوانی تک کے حالات، تجارتی مشغولیت، صادق وامین ہونا، خلوت نشینی، پہلی وحی، آغاز دعوت، بعد ازاں مصیبتوں کے تیرہ سال، مدینہ میں بحیثیت بادشاہ، دعوت کے طریقہ، جنگ بدر واحد، مکہ کی پہلی یاترا، صلح حدیبیہ، یہودیوں اور مسلمانوں میں میل، روم والوں سے لڑائی اور جیت، فتح مکہ، اسلامی حکومت، پیغمبر کی شادیاں، آخری دن، پیغمبر کا رہن سہن، اسلام دھرم کا نچوڑ اور یورپ والوں کی کچھ رائے، ان موضوعات پر پنڈت سندر لال نے اپنی کتاب میں بحث کی ہے۔

پنڈت جی کی اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ دیگر کتابوں کی بنسبت ہمیں اس میں حوالہ جات بکثرت ملتے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کی تالیف صرف عقیدت کی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ علمی معیار پر کی ہے۔ بعض اہم مصادر ومراجع کی ایک فہرست کتاب کے آخری صفحہ پر بھی دی گئی ہے؛ لیکن تمام مصادر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی نے زیادہ تر انگریزی کتابوں سے مدد لی ہے۔

اخیر میں پنڈت جی ایک حوالے سے لکھتے ہیں:

''محمد صاحب کو ایک ساتھ تین چیزوں کو قائم کرنے کی خوش قسمتی ملی: ایک قوم، ایک راج اور ایک دھرم۔ اتہاس میں کہیں اس طرح کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ محمد صاحب کے مرنے کے سو برس کے بعد عربوں کا سامراج جتنا بڑا اور جتنی دور تک پھیلا ہوا تھا، روم کا مشہور سامراج اپنے اچھے سے اچھے دنوں میں کبھی نہ اتنا بڑھا، نہ اتنی دور تک پھیلا۔'' (۲۵)

محل نظر مقامات:

پہلی وحی کے بعد رسول اللہ ﷺ پر طاری ہونے والی اضطرابی کیفیت کو آپ ﷺ نے کس طرح بیان کیا، پنڈت جی لکھتے ہیں:

''خدیجہ مجھے کیا ہوگیا ہے، میں پاگل تو نہیں ہوگیا ہوں؟''(۲۶)

جبکہ یہ بالکل غلط بیانی ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ لفظ استعمال نہیں فرمایا۔

حضرت صفیہؓ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ یہودیہ تھیں اور رسول اللہ ﷺ سے شادی کے بعد بھی اخیر تک اپنے مذہب پر قائم رہیں، (۲۷) جو بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے۔رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ کے تعلق سے لکھا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (۲۸) جبکہ آپ ﷺ کی نماز جنازہ کسی نے نہیں پڑھائی۔ نیز لکھتے ہیں کہ محمد صاحب ﷺ نے اپنی زندگی بھر کبھی کوئی کرامت، معجزہ یا چمتکار دکھایا اور نہ دکھا سکنے کا دعوی کیا۔(۲۹) پنڈت جی کے اس دعوی کا پہلا جز غلط اور دوسرا صحیح ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱۵) عرب کا چاند، سوامی لکشمن، صفحہ ۲۵، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور۔

(۱۶) نقیب الہند، لکشمن پرشاد کی کتاب عرب کا چاند ایک نظریاتی مطالعہ، مقالہ ڈاکٹر محمد مصعب انصاری۔

naqeebulhind.hdcd.in۔

(۱۷) عرب کا چاند، صفحہ ۵۲۔

(۱۸) حوالہ بالا، صفحہ ۲۹،۳۰۔

(۱۹) سردار گوردت سنگھ، سیرت رسول عربی، اشاعت ۱۹۲۴ء، صفحہ ۱۔

(۲۰) حوالہ بالا، صفحہ ۳،۴۔

(۲۱) حوالہ بالا، صفحہ ۱۲۳، ۱۲۴۔

(۲۲) حوالہ بالا، ص ۱۳۔

(۲۳) حوالہ بالا، ص ۳۲۔

(۲۴) حوالہ بالا، ص ۳۴۔

(۲۵) پنڈت سندر لال، حضرت محمد اور اسلام، بشمبھر ناتھ وسوانی پریس، ساؤتھ ملاکہ، الہ آباد، (۱۹۴۲ء) صفحہ ۲۲۴۔

(۲۶) حضرت محمد اور اسلام، صفحہ ۱۵۳۔

(۲۷) حوالہ بالا، صفحہ ۱۷۱۔

(۲۸) حوالہ بالا، صفحہ ۱۸۲۔

(۲۹) حوالہ بالا، صفحہ ۶۵۔

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں خصوصی شمارہ ''سید مسرور عابدی'' شعراء وادباء سے اپیل

جناب ظہور ظہیر آبادی کے بموجب ممتاز شاعر حضرت سید مسرور عابدی شرقی مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے بہت جلد خصوصی شمارہ'' سید مسرور عابدی'' ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں شائع ہونے جا رہا ہے۔ اس خصوصی شمارہ کا رسم اجراء زیر سرپرستی مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی صاحب'' بیاد سید مسرور عابدی'' تعزیتی جلسہ ونعتیہ مشاعرہ میں عمل میں آئیگا جو عنقریب حیدرآباد میں انعقاد عمل میں لایا جائے گا۔ سید مسرور عابدی مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کے خواہشمند شعرائے کرام وادباء سے خواہش کی جاتی ہے کہ اپنے اپنے مضامین اور تعزیتی کلام قطعات وغیرہ لکھ کر 10/ جنوری 2024ء تک درج ذیل واٹس ایپ نمبر 7780195302,9392533661 پر ارسال فرمائیں۔ تاکہ خصوصی شمارہ میں شائع کیا جا سکے۔

خیر النساء علیم۔ملک پیٹ،حیدرآباد

''وہ عنایتیں تقدیر کی''

احد زمان علی بہت ذہین، ہمدرد، ہنس مکھ ہر دل عزیز لڑکا تھا۔ بچپن میں ہی اس کے والدین کسی حادثہ میں جاں بحق ہوگئے تھے۔اس کی تربیت پرورش اس کی تایا زاد بہن ثمر بیگم جنہیں کوئی اولاد نہیں تھی۔انہوں نے کی۔ثمر بیگم احد کو بہت عزیز رکھتی تھیں۔انہیں اس کی ہر خوشی کا خیال رہتا تھا احد بھی اپنی بہن کو بالکل ماں کی طرح چاہتا تھا۔وہ ایم بی اے کرنے کے بعد اچھی سی ملازمت کی تلاش میں تھا۔کئی ملٹی نیشنل کمپنیوں میں انٹرویو دے چکا تھا۔اب ہر طرف سے کال کا انتظار کر رہا تھا۔خوش قسمتی سے اسے بہت اچھی جاب مل گئی۔ اور اب ثمر بیگم اس کی شادی کے بارے میں سوچنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے دو سال کا عرصہ کیسے گذر گیا پتہ ہی نہ چلا۔

زوباریہ اپنے کالج کی بے حد مقبول طالبہ تھی۔B.A کرنے کے بعد وہ کوئی چھوٹی سی نوکری کی تلاش میں تھی۔ اس کے والد کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا تھا۔اماں نے بڑی محنتوں سے اس کے پڑھنے کے شوق کو پورا کیا تھا اور اب زوباریہ چاہتی تھی کہ کوئی نوکری ڈھونڈ کر اماں کا ہاتھ بٹایا جائے۔اس نے اخبار میں اشتہار دیکھا ہے کہ کسی کمپنی میں ایک ریسپشنسٹ کی ضرورت ہے۔ وہ انٹرویو کے لئے گئی۔ اور اس جاب کے لئے سلیکٹ کرلی گئی۔ دو دن بعد اس کو ڈیوٹی جائن کرنا تھا۔اپائنمنٹ لیٹر لے کر وہ خوشی خوشی گھر واپس آنے کی جلدی میں تھی تبھی سامنے سے آتے ہوئے احد سے ٹکرا گئی اس کی فائل نیچے گرگئی۔اور احد سوری کہتا ہوا اس کی فائل اٹھانے کے لئے جیسے ہی نیچے جھکا زوباریہ کے سر سے اس کا سر ٹکرا گیا۔ اب زوباریہ کا غصہ سے برا حال ہوگیا۔احد کے لاکھ ایکسیکوز کرنی پر بھی وہ بے غصہ سے واپس ہوگئی۔اور احد حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔ جیسے ہی اس نے قدم آگے بڑھایا اسے زوباریہ کا اپائنمنٹ لیٹر نظر آیا جو فائل سے نکل کر نیچے گر گیا تھا۔ وہ لفافہ اٹھا کر دیکھتا ہے۔اس میں زوباریہ کا پتا بھی درج تھا۔ یوں وہ لیٹر دینے کے لئے اس کے گھر پہنچا۔سوئے اتفاق کہ وہ گھر پر نہیں تھی اماں سے احد کی ملاقات ہوئی۔ تب اس نے زوباریہ کا لیٹر اماں کو دیکھا۔اماں احد سے مل کر بہت خوش ہوئی اور کہا کہ آتے جاتے رہا کریں۔گھر پر ہم دونوں ماں بیٹی ہی رہتی ہیں۔اس طرح احد کا زوباریہ کے گھر آنا جانا بہت اچھی دوستی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ایک ہی آفس میں کام کرنے سے دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے میں کافی مدد ملی۔

کھانا بڑے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔احد کو واقعی باتیں بنانے کا فن آتا تھا۔اس دن زوباریہ کی دوست سنبل بھی شریک تھی۔ دونوں سہیلیوں کا ہنستے ہنستے برا حال تھا۔ اماں کے چہرے پر ایک اور ہی خوشی کی چمک تھی۔وہ کبھی احد کو دیکھتیں اور کبھی زوباریہ کو۔جیسے دل ہی دل میں دونوں کی ہمراہی کی دعائیں کر رہی ہوں۔سنبل جانے کے لئے اٹھی تو زوباریہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

''زوبی تیری قسمت کو نظر نہ لگے ماشاء اللہ کہہ دوں؟''

وہ شرارت سے مسکرائی......زوباریہ ہولے سے ہنس دی۔" میں نے ابھی ہاں نہیں کہی ہے؟"

"زوبی کتنا چاہتا ہے وہ تجھے۔اس کی نگاہیں تک بولتی ہیں۔ ہر خوف دل سے نکال کر ہاں کہہ دو"۔

زوباریہ اسے خدا حافظ کہہ کر اندر آئی۔ اس کا رواں رواں سنبل کی کہی ہوئی باتوں کے زیر اثر تھا۔احد اماں سے باتوں میں مصروف تھا۔وہ بھی اماں کے قریب بیٹھ گئی۔

اماں نماز پڑھنے کا کہہ کر اندر چلی گئیں۔ دونوں کے درمیان تنہائی کا زیادہ احساس پیدا ہوا تو وہ یکا یک اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہئے"

زوباریہ اسے چھوڑنے دروازے تک آئی۔"خدا حافظ احد"۔

"او ہاں"! اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی۔ یہ تمہاری سالگرہ پر ایک چھوٹا سا تحفہ چاہو تو پہن لینا۔ نہ پہننا چاہو تو کسی ڈسٹ بن میں ڈال دینا۔آئندہ ملاقات میں تمہاری انگلی میں نہ پایا تو پھر یقین رکھنا۔ میں کبھی دوبارہ دست سوال دراز نہ کروں گا"۔

زوبی نے ڈبیا تھامی تو وہ "خدا حافظ" کہہ کر باہر نکل گیا۔

" میں تمہارے ساتھ خوش رہوں گی احد زمان علی، بہت خوش کہ ابھی ابھی دل کو علم ہوا ہے کہ تم نظروں سے اوجھل ہوتے ہو تو ساری روشنیاں گل ہو جاتی ہیں۔ میں تم سے کترا کے آگے نہیں بڑھ سکتی آگے اندھیرا نظر آتا ہے"۔

پھر اس نے وہ نازک سی انگوٹھی اپنی انگلی میں (پہن) لی۔

"اماں۔احد نے سالگرہ پر یہ انگوٹھی دی ہے میں نے پہن لی"۔اس نے ہاتھ آگے کر دیا۔اماں کا چہرہ منور ہو گیا۔ انہوں نے ہاتھ تھام کر چوم لیا۔

"زوبی! میں خوش ہوں بیٹی۔ بہت خوش"

چند دن بڑے خوشگوار انداز میں گذرے تھے وہ اپنی دھن میں مگن تھی۔احد زمان علی کا تصور اسے وقت گذرنے کا احساس نہ ہونے دیتا تھا۔

"زوبی بیٹی! کل احد اور اس تایا زاد بہن آرہے ہیں۔ کیا بھلا سا نام ہے ان کا۔ ہاں ثمر بیگم۔ دیکھو بیٹی وہ تمہیں انگوٹھی تھما گیا۔ اور تم نے پہن بھی لی ایسے کہیں رشتے طئے ہوتے ہیں"۔

"پھر اماں!" وہ سنجیدگی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"پھر یہ کہ میں نے احد سے بات کی ہے۔ اسے تمہاری رضا مندی کا بتایا۔اس سے کہا کہ اپنی بہن کو چار عزیز دوستوں کو لے آؤ۔ ہم یہاں اپنے عزیزوں کو بلاتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی دعوت ہو جائے اور لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کل کو کوئی بات نہ ہو"

"پھر کیا کہا انہوں نے؟" وہ آہستگی سے پوچھنے لگی۔

"اس کو کیا اعتراض ہو وہ تو دل و جان سے راضی ہے کل وہ لوگ شام کو آئیں گے بعد مغرب کے اور ہاں بیٹی! یہ انگوٹھی بھی اتار کر مجھے دے دو"۔

"کیوں اماں"؟ اس نے تعجب سے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

"ارے کل سب کے سامنے پہنا دے گی اس کی بہن تمہیں۔اب وہ بے چارہ بار بار انگوٹھیاں خریدنے سے تو رہا کل کیا پھر نئی انگوٹھی لائے گا؟"

"کیا اماں؟" اگر ایک اور انگوٹھی لا کر پہنائے تو کیا اچھا نہ ہوتا؟ میری خوشی کے لئے دو چار ہزار بھی خرچ نہیں کر سکتے"؟

منگی کی رسم ادا کر دی گئی۔ ثمر بیگم نے اسے انگوٹھی

پہنائی تو زوباریہ چونک اٹھی یہ وہ انگوٹھی نہ تھی۔ زوبی کو خوشی کا احساس ہوا۔ اماں کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا۔ پھر شادی کی تاریخ بھی طئے کر لی گئی۔ دو ماہ بعد کی تاریخ طے کی گئی۔ زندگی میں یوں بھی خوشیوں کی برسات ہوگی یقین نہ تھا۔ تقدیر اس پر مہربان ہو چکی ہے تو خوشی چھپائے نہ چھپی۔ اولاد کی خوشی بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ انسان اس کے آگے اپنے اصول اور اپنے تمام جواز ہار دیتا ہے۔ صرف ایک خواہش کے طفیل کہ بچوں کی خوشیاں حاصل ہو جائیں۔

زوباریہ بیاہ کر سسرال گئی تو ہر ماں کی طرح اماں نے بھی خدا کا شکر ادا کیا۔ چند روز تک رسوم ورواج کے مطابق اس کا میکے آنا جانا لگا رہا۔ وہ خوش تھی۔ احد نے اس پر محبتوں کی بارش کر دی تھی اتنی خوبصورت وخوب سیرت من چاہی بیوی کو پا کر وہ بہت خوش اور مطمئن تھا!!

☆☆☆

☆ میرا خیال ہے اب لوگوں کے دل چھوٹے ہو گئے ہیں۔ دوسرے کے ساتھ رہنے میں قربانی، ایثار سے کام لینا پڑتا ہے۔ جب کہ آج کل لوگوں کی نظروں میں ان الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔ اصل میں یہ خود غرضی، بے حسی ہمیں مغربی تہذیب اور معاشرے سے ملی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج گھر کا ماحول اتنا پرسکون اور خوشگوار نہیں رہا۔ جتنا ماضی میں رہتا تھا۔ زندگی صرف اپنے لئے نہیں ہے دوسروں کے لئے بھی ہے۔ یہ احساس ہی مشترکہ نظام کی بنیاد ہے۔

☆ میرا خیال ہے کہ جیسا کہ تراشنے کے بعد پتھر ہیرا کہلاتا ہے۔ آگ میں تپ کر سونا کندن بن جاتا ہے۔ اسی طرح محنت ریاضت اور کوشش سے صلاحیتیں نکھر جاتی ہیں۔ تب ہی ایک قلمکار کی تخلیق وجود میں آتی ہے۔

علی شاہدؔ دلکش۔ کوچ بہار گورنمنٹ انجینئرنگ کالج (بنگال)

ایک غزل اہلِ فلسطین کے نام

غزل

سر زمینِ بیتِ مقدس کے مکینوں کو سلام
اے فلسطین ترے شہر کی گلیوں کو سلام

پاک دامن جو بے رحمی سے کچل ڈالے گئے
اَن گِنے پھول کی معصوم سی کلیوں کو سلام

غاصبوں سے لڑے جی جاں سے نڈر ہو کے سبھی
جاں ہتھیلی پہ لِیے سارے شہیدوں کو سلام

ہیں ڈٹے ظلم کے طوفان میں جتنے بھی شجر
عزمِ آہن لیے مضبوط درختوں کو سلام

ظلم کے خون سے بچے ہوئے جتنے بھی شہید
ان فلسطین کے معصوم فرشتوں کو سلام

بیت اقدس کے لیے دستِ دعا ہے جو اُٹھا
قبلہ اول سے محبت بھرے جذبوں کو سلام

تیز اور تند ہوا میں بھی ہے روشن جو چراغ
ظلم کی آندھی میں ان جلتے چراغوں کو سلام

خوں محبانِ فلسطین کا ناحق جو بہا
ناز بردار شہیدوں کے عقیدوں کو سلام

اولیں قبلہ پہ سر سب کا جو شاہدؔ ہے جھکا
مسجدِ اقصیٰ کی اطہر گلی کوچوں کو سلام

سید عظمت اللہ بیابانی۔حیدرآباد

......بیکسی......

''محسن کی ارتقاء بے جان مجسم کے کاندھوں پر ہوتی ہے'' قدیم خدمت گار ہے۔ پھر اُس نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا: ''میرے مالک کے کمرے میں بے جان سی سی ٹی وی (CCTV) لگی ہوئی ہے۔ یہ میرے مالک کے جگر گوشوں نے اپنی ایک آمد پر لگوایا تھا۔ سی سی ٹی وی کے طفیل میں اپنے والدین کو اور والدین اپنے جگر گوشوں کو ایک دوسرے کو دیکھنے کا موقع دیتا رہا۔ دل کو سکون، دماغ کو شادمانی، آنکھوں کو ٹھنڈک اور چہروں پہ ہشاش بشاش کو میں اپنے مالک میں محسوس کر رہا تھا۔ ملنے جلنے جو بھی دوست احباب آتے، میرے مالک سے مل کر اُن کی خوشیوں کو دوبالا کر دیتے تھے۔ دور سات سمندر پار اسی بے جان شئ سے مستفیض ہی نہیں بلکہ دوسرے بھی شادمانی حاصل کرتی رہے۔

میرے مالکن اور مالک کو باغبانی کا شوق بہت تھا۔ طرح طرح کے پھولوں کے پودوں کے علاوہ سبزی کے پودے بھی لگائے تھے۔ یہ دونوں آپس میں مقررہ وقت پر باغبانی کرتے اور اپنے آپ کو صحت بنانے کا موقع پاتے۔ حکومت کی طرف سے ایک دفعہ برقی کٹوتی کا اعلان کیا گیا تھا۔ برقی کٹوتی صرف روشنی مہیا کرنے میں دقت پیدا کرنے کے علاوہ کمرے میں ٹھنڈک پہنچانے کا نظم بھی متاثر کیا۔ بات یہیں نہیں ٹکی، باغبانی کی سینچائی کے لئے پانی کا آنا بھی درہم برہم ہوگیا۔ دھیرے دھیرے سی سی ٹی وی سے مستفیض ہونے میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ بے چینی دونوں طرف بڑھتی گئی۔ میرے مالکن اور مالک آہستہ آہستہ الگ تھلگ محسوس کرنے لگے۔ باغیچے کے کھلکھلاتے رنگ برنگ کے پھولوں کے اور ترکاریوں کے پودے پانی کی قلت کی وجہ سے مرجھانے لگے۔ اخبار والا گیٹ کے پاس کے باکس اخبار ڈالا کرتا تھا۔ دوست احباب کا آنا جانا کووڈ (COVID) کی وباء کے پھیلنے کی افواہ کے سبب بہت ہی کم ہوگیا، مالکن اور مالک آپس میں غیر محفوظ محسوس کرنے لگے۔

اسی صورتِ حال میں ایک لمبا عرصہ گزرا۔ کبھی کبھار اپنے جگر کے ٹکڑوں سے فون پہ بات ہوتی اور اکثر دفعہ فون کٹ ہو جایا کرتا تھا، زاہد اپنی روداد سناتے سناتے کچھ دیر رک جاتا ہے۔ دھیرے دھیرے پھر زاہد اپنی بات بتاتے ہوئے اس نے کہا کہ '' کچھ میرے مالک کے قریبی رشتہ داروں نے اس سی سی ٹی وی کو ٹھیک کروادیا جس کا آپریٹنگ سسٹم (Operating System) اور سرکیوٹ پہلے والے سسٹم سے مختلف تھا۔ یہ ٹھیک ہونے کے باوجود سات سمندر پار اپنوں سے رابطہ نہیں ہو پایا۔ کسی کی کوئی کیفیت بھی معلوم نہیں ہوسکی۔ میرے مالکن اور مالک کے چہرے پہ جو خوشیاں اُمنڈ رہی تھیں، وہ غائب ہوتی ہوئی نظر آئیں۔ میں اپنی حیثیت سے اونچا نہیں ہوسکا اور نہ مجھے اس کی ہمت ہوئی۔ وہ جو دور تھے، اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک اس بے جان سی سی ٹی وی سے جڑی ہوئی تھی۔ اپنے اپنے مشغلوں میں شاید وہ جگر کے ٹکڑے کھوگئے۔ زمانہ قدیم سے منسلک میرے

التجائے دعا

سید زاہد بیابانی بن سید محمد زبیر بیابانی بن سید عظمت اللہ بیابانی کے **حفظ قرآن** کی تکمیل پر

ادارہ ان کے روشن مستقبل کے لئے دعا گو ہے

عصر حاضر پر الیکٹرانک سائنس ایسی حاوی ہوئی کہ دوسرے ادبی، اخلاق اور معاشرتی اقدار سکڑ نے لگے۔نتیجتاً مذہبی ضروری معلومات سے لاعلمی بڑھتی جارہی ہے۔ بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، رشتہ داروں کا پاس وغیرہ کل کی باتیں معلوم ہونے لگیں۔ایسے ماحول میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم کا حاصل کرنا بہت بڑی بات ہے وہ بھی جہاں غیر اسلامی ماحول ہو۔ بہت کم خوش نصیب ہیں جو ایسے اوقات عربی واُردو میں بھی مذہبی معلومات کو حاصل کرنے آگے آگے رہتے ہیں۔ان خوش نصیبوں میں سید زاہد بیابانی بھی ہیں جو سنِ بلوغ کی دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ اُردو اور عربی میں مذہبی تعلیم حاصل کرتے ہوئے قرآن مجید کا بھی بفضل تعالیٰ حفظ مکمل کرلیا۔استادِ محترم اور ان کے والدین کی کوششوں اور دعاؤں کے سبب حافظِ قرآن کی سند حاصل کی۔ان کے دین و دنیا کی ترقی کے متمنی ان کے اپنے اور اہلِ وطن کے تمام خیر خواہ شامل ہیں۔

مالکن اور مالک اِن جدید آلوں سے غیر آشنا تھے۔اپنی جگہ اللہ اللہ کرتے ہوئے رہنے لگے۔ چاند دور سے جتنا سہانا نظر آتا ہے،قریب سے وہ ایسا نہیں ہوتا۔خاموشی بڑھتی گئی، زندگی کی گھڑی کے گھنٹوں کے کانٹے،سکنڈ کی کانٹوں کی طرح بھاگنے لگے۔ مالکن کی طبیعت پر کچھ عمر، موسم اور ماحول کا اثر پڑنے لگا۔قوتِ بینائی اور قوتِ سماعت سست ہوتی گئی۔اُدھر مالک کمر اور گھٹنوں کے درد کی تکلیف سے بہت ہی کم حرکت کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے اخبار والے سے بات کروانے کی خواہش ظاہر کی اور جب اخبار والے سے بات ہوئی تو کہنے لگے کہ اخبار گیٹ کے باکس میں ڈالنے کے عوض اندر مکان میں آکر اخبار دینے کو کہا۔ جھجھکتے ہوئے اخبار والے سے کہنے لگے کہ تیرا چہرہ دیکھنے کا تجھ سے بات کرنے کا موقع ملتا ہے''۔زاہد اپنے آنکھوں کے آنسوں پوچھتے ہوئے کہنے لگا کہ اس کے اپنے گاؤں سے اس کے ایک عزیز کی موت کی خبر نے اسے مالک اور مالک سے اجازت لے کر اپنے گاؤں جانا پڑا۔ زاہد نے کہا میرے مالکن اور مالک کی آنکھوں میں ایک تمنا آس اور مایوسی نظر آئی۔ میرا جانا ضروری تھا۔ باہر میں نے دیکھا محلے کا کوڑا کرکٹ قریبی نکڑ پہ جلایا جارہا ہے جس کے سبب دھواں بدبو دار ہی نہیں بلکہ زہریلی ہوا پھیلا رہا ہے۔

زاہد واپس گاؤں سے اپنے مالکن اور مالک سے ملنے کے لئے آیا، تب دیکھتا ہے کہ چیل اور کوے اس گھر کے آس پاس منڈلا رہے ہیں۔ کتّوں کا جُھنڈ بھی اس کچرے کے ڈھیر کے قریب ہونے کے ناطے گھر کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں نے دروازہ کھولتے ہوئے مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ مالک الگ کمرے میں بستر پر آخری سانس لے رہے ہیں، ان کے ایک ہاتھ میں تسبیح اور دوسرے میں لختِ جگروں کی فوٹو تھی اور ادھر مالکن منھ کھولے ہوئے، آنکھیں بند کئے ہوئے دنیا کو خدا حافظ کہتے ہوئے پڑی ہیں اور ان کے سینے پر پنج سورہ رکھا ہوا تھا۔

محمد اسلم عامر۔ ریسرچ اسکالر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

بانی دارالعلوم حیدرآباد امیر ملتِ اسلامیہ

حضرت مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقلؒ کے ذوقِ شاعری پر ایک طائرانہ نظر

امیر ملت اسلامیہ حضرت محمد حمید الدین حسامی عاقلؒ کی شخصیت ایک ہمہ گیر شخصیت تھی، وہ ایک خوش بیان واعظ اور روحانی بیماریوں کو پہچاننے والے معالج و مصلح بھی تھے، اور کتنے ہی لوگوں نے آپ کے ذریعہ رشد و ہدایت کی راہ بلکہ منزل پائی تھی، ان میں کلمہ گو بھی ہیں اور ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو ایمان سے محروم تھے، دوسری طرف ایک صاحب عزیمت قومی و ملی قائد بھی تھے، اور سیاسی وسماجی مسائل میں اپنی بے باکانہ اور حکیمانہ رہنمائی کے ذریعہ امت مسلمہ کے لئے خضر طریق کا کام کرتے تھے، وہ ایک بلند پایہ عالم اور مصنف بھی تھے اور کئی اہم اصلاحی و تذکیری کتابیں ان کی رشحۂ قلم ہیں، اور سخن فہم شناس شاعر بھی ہیں، ان کی نعتیں عشق رسول میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں اور شرعی حدود سے متجاوز بھی نہیں ہوتیں۔

شعر وادب کی دنیا میں سرزمین دکن کا نام جس طرح روشن ہے اس طرح کی روشنی کسی اور کو حاصل نہیں اور زبان اردو کی آبیاری کرنے والوں میں اہل دکن کو جو اولیت حاصل ہے وہ کسی اور کو میسر نہیں کیوں کہ اردو کا اولین شاعر ولی اورنگ آبادی کو مانئے یا حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کو بہر صورت دونوں کا تعلق سرزمین دکن ہی سے تھا اسی لئے حضرت امیر ملت کے والد محترم علامہ فاضل نے کہا تھا کہ

ہوا ثابت جو یہاں دفن ہوئے داغ وامیر
اصل ارود کی ہے در اصل دکن کی مٹی

اور شاید اسی مصلحت کی بناء پر سرزمین دکن میں آج بھی شعر وشاعری کا ذوق بہت اچھا اور لائق تحسین ہے اور پڑھے لکھوں کو تو چھوڑیئے جاہل اور ان پڑھ کا ذوق بھی اس باب میں دوسرے علاقوں سے بدر جہا بہتر ہے جس کے اوپر آپ کو شعر فہمی کا بھی گمان نہیں ہوسکتا وہی جب اپنی زبان کھولتا ہے تو دوسرے علاقہ کے لوگ ششدر وحیران رہ جاتے ہیں کہ شعر فہمی تو کجا اسے شعر گوئی پر بھی کافی دسترس حاصل ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے کہ ''اصل اردو کی ہے، در اصل دکن کی مٹی''

جب جاہل ان پڑھ کا ذوق سخن ایسا ہے تو پڑھے لکھوں کا ذوق کیسا ہوگا خود ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کے اکثر شعراء ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی استاذ نہیں اور کسی سے بھی انہوں نے اصلاح نہیں لی پھر بھی ان کے اشعار میں سلاست وروانی اور عروض وقوافی کی تمام تر رعایتیں موجود ہوتی ہیں کیوں کہ ان کی شاعری تکلف وتصنع کی محتاج نہیں بلکہ ان کے شعر وشاعری کا ذوق فطری ہوا کرتا ہے لہٰذا جب فطرت ہی استاذ ہو تو پھر کسی سے اصلاح کی ضرورت ہی کیا ہوگی۔

ذوقِ شاعری:

حضرت امیر ملت بھی ایک ایسے ہی فطری شاعر تھے جنہوں نے کسی سے اصلاح نہیں لی، اور کسی کو فن شاعری میں استاذ نہیں بنایا، نیز کسی کو استاذ بنانے کی ضرورت بھی نہ تھی کیوں کہ آپ کے والد علامہ فاضلؒ ایک باکمال استاذ شاعر تھے، استاذِ شاعری کے گود میں پلنے والا بھلا کسی اور کا محتاج کیوں کر ہوتا اور شاعری کی محفل میں پروان پانے والے کو اصلاح سخن کی کیوں ضرورت پڑتی، اسی لئے دیکھا جاتا ہے کہ آپ کے کلام میں نہ بہت زیادہ استعارات ہیں اور نہ ہی مشکل ترین ترکیبیں ہیں، الفاظ دیکھنے میں بہت آسان لیکن سلاست میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں، ایسے اشعار بھی نہیں ہوتے تھے کہ جس کا سمجھنا عام لوگوں کے لئے مشکل ہو، جیسا کہ دیکھتے ہیں مرزا غالب اور مسدس حالی کے دیوان کو تو غالب کے اشعار سے ایسا پتہ چلتا ہے کہ اس میں استاذ کا رنگ پورے طور پر غالب ہے، وہیں حالی کے اشعار کو دیکھیں اتنے عام فہم کہ جب پڑھنا شروع کریں تو اس کے معانی ومطالب اترتے چلے جاتے ہیں۔

حضرت امیر ملت کا ذوق سخن چونکہ فطری تھا اس لئے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ بھی وادء تخیل میں سرگرداں رہتے، خیالات کے پل بناتے، حسن وعشق کے صحراؤں میں چکر کاٹتے اور غزلیات سے اپنے قلوب کو تسکین دیتے مگر یہ عجیب اتفاق تھا کہ آپ نے کبھی کوئی غزل نہیں کہی، آپ کی شاعری کا موضوع صرف اسلامی احکام، عشق رسول اور حمد باری ہوا کرتا تھا۔

حضرت امیر ملت نے اپنی شاعری کا آغاز اس وقت کیا جبکہ آپ ابھی سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے، بلکہ ابھی صرف ۹ یا ۱۰ سال کے ہی تھے طالب علمی کے زمانہ میں آپ نے اپنی زندگی کی پہلی نعت کہی تھی جس میں آپ نے اپنا تخلص عاقل رکھا تھا، اس نعت میں آپ نے جس بھولے پن کا اظہار کیا ہے اسے دیکھ کر ہی حیرت ہوتی ہے کہ آپ نے اپنی صغرسنی کا واسطہ دیا ہے حضور پرنور ﷺ سے خواب میں تشریف لانے کی درخواست کی ہے اور اس حسین انداز سے اپنے سرکار کو آپ نے مخاطب کیا ہے کہ پڑھنے والا سر دھننے پر مجبور ہو جاتا ہے، اس نعت کو ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

نمونہ نعتِ شریف:

سن لے مجھ چھوٹے کی چھوٹی سی دعا یا مصطفیٰ ؐ
خواب میں آ، چہرہ انور دکھا یا مصطفیٰ ؐ
باوفا ہے اک غم عشق آپ کا یا مصطفیٰ ؐ
مال و زر فرزند و زن سب بے وفا یا مصطفیٰ ؐ
تیرے صدقے تو فقیری میں رہا یا مصطفیٰ ؐ
کی شہنشاہی غلاموں کو عطا یا مصطفیٰ ؐ
عالم و فاضل بنوں اور مدح خواں تیرا رہوں
علم کے ہمرہ عمل بھی ہو عطا یا مصطفیٰ ؐ
امتحان علم ہو یا امتحان حشر ہو اول تو آتا جاؤں میں ہر ایک جا یا مصطفیٰ ؐ
کیوں نہ کہتے آپ کو کفار بھی صادق امیں
آپ میں بچپن سے تھا صدق وصفا یا مصطفیٰ ؐ
مدتوں کی آرزو بر آگئی جاگے نصیب
سوئے طیبہ جب مجھے تم نے بلایا یا مصطفیٰ ؐ
دشمنوں کی وجہ سے بے چارا ضعیف وزار ہے
بول بالا کیجیے اسلام یا مصطفیٰ ؐ
ہو نہیں سکتا کبھی مخلوق پر نازل عذاب
ہے زمیں پر جبکہ مرقد آپ کا یا مصطفیٰ ؐ

اے عجب تو بھی رحیم اور حق تعالیٰ بھی رحیم
حق نے اپنا نام بھی تجھکو دیا یا مصطفیٰ ﷺ
وحشیوں کو تو نے عالم کا شہنشہ کردیا
واہ تیری تربیت تیری سخا یا مصطفیٰ ﷺ
دوجہاں کی نعمتیں ہم کوملیں تیرے طفیل
آہ ہونا نجویں تیری غذا یا مصطفیٰ ﷺ
غیر کا مداح چھوٹا ہے بڑا ہی کیوں نہ ہو
ہے تیرا مداح چھوٹا بھی بڑا یا مصطفیٰ ﷺ
خوش رہیں ماں باپ مجھ سے اور حق راضی رہے
اورحاصل ہو مجھے تیری رضا یا مصطفیٰ ﷺ
عاقل بے کس کی فرمانا حمایت حشر میں
دشمن جاں جبکہ ہوں گے دست وپا یا مصطفیٰ ﷺ

اہل تشیع کی طرف سے حضرت امیر معاویہ کی شان میں جو گستاخی اور بے ادبی کی جاتی ہے اس ہر مسلمان واقف ہے پھر شہر حیدرآباد تو اہل تشیع کا مرکز ہے اس لئے یہاں کی گستاخیاں تو اپنی آپ مثال ہیں لہذا یہاں کے اہل دردمند مسلمانوں نے یوم معاویہ منانے کا پروگرام منایا اور حیدرآباد کو یہ خصوصیت حاصل ہوگئی کہ پہلے یہیں یوم معاویہ منایا گیا، چنانچہ ۱۴/ رجب ۱۳۸۳ھ مطابق یکم ڈسمبر ۱۹۶۳ء بروز اتوار مسجد چوک حیدرآباد میں حضرت امیر ملت کی زیر نگرانی یوم معاویہ کے عنوان سے ایک جلسہ منعقد ہوا، اور اس میں خود حضرت ملت کی لکھی ہوئی ایک منقبت امیر معاویہ پڑھی گئی تھی، منقبت امیر معاویہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

نمونہ منقبتِ حضرت امیر معاویہ ؓ:

ہیں پیکر جود و سخا، حضرت امیر معاویہ
محبوب خاصانِ خدا حضرت امیر معاویہ
سالے شہ لو لاک کے کاتب قرآن پاک کے
بے شبہ ہیں ذی مرتبا حضرت امیر معاویہ
کوئی براکہتا اگر، فرماتے اس سے درگزر
ضرب المثل حلم آپ کا حضرت امیر معاویہ
فاروق نے تعریف کی، کسری العرب، تم کو کہا
کیا شان ہے کیا مرتبا حضرت امیر معاویہ
ہم کون؟ جو ناراض ہوں، کینہ رکھیں، جب آپ سے
راضی نبی، راضی خدا حضرت امیر معاویہ
اعلیٰ تمہارا مرتبہ کیا حرف تم پر آئے گا
ناداں کہیں گر کچھ برا حضرت امیر معاویہ
جس کو نبی ہادی کہیں، اس کو کہے گمراہ، جو
کیا حشر ہو اس کا بھلا حضرت امیر معاویہ
سنی نہیں کذاب ہے جو آپ سے بیزار ہے
ہیں آپ محبوب خدا حضرت میر معاویہ
حب علیؓ سے کیا غرض اور اتباع انکی کہاں
مقصود ہے بغض آپ کا حضرت امیر معاویہ
دونوں نبی کے یار ہیں دونوں قرابت دار ہیں
حضرت علیؓ شیر خدا حضرت امیر معاویہ
چھوٹے سے قبرستان کا جو، بیٹے کو سجادہ کریں
طعنہ دیں تم کو برملا حضرت امیر معاویہ
حضرت حسنؓ کرلیں صلح اور آپکی بیعت کریں
تاعمر ہوں مدح سرا حضرت امیر معاویہ
ان کے فدائی حیف ہے بغض آپ سے میں رکھیں
اس سے ہو بڑھ کر جہ کیا حضرت امیر معاویہ
عاقل یہ افضال خدا، عاشق ہے اہل بیتؓ کا
اور آپ کا مدح سرا، حضرت امیر معاویہ

علیم خان فلکی۔حیدرآباد

غزل

اب نہ وہ میں رہا اور نہ وہ چہرہ میرا
میری پہچان کو بس نام ہی ٹھہرا میرا

جاگتی آنکھوں کے خوابو مجھے اب سونے دو
کچھ تو نیندوں کا بھی ہو قرض تو ہلکا میرا

قرض خواہوں کی طرح یا تو پڑوسی جیسا
زندگی تجھ سے رہا اور کیا رشتہ میرا

یا زبانوں پہ ہوں یا دل یا ذہن میں سب کے
کوئی محفل ہو وہاں رہتا ہے چرچا میرا

تھک گیا ہوں میں بہت راستے سب کے چلتے
کاش کچھ دور چلے کوئی تو رستہ میرا

ڈہ گئی عمر بناتے ہوئے جس گھر کو علیم
میں نہیں رہتا وہاں رہتا ہے ملبہ میرا

حضرت امیر ملت اپنی زندگی میں شعروشاعری کا بہت ذوق رکھتے تھے،شعر گوئی آپ چلتے پھرتے کیا کرتے تھے جس میں نعت ہوتی تھی حمد اور نبی رحمت پر سلام ہوا کرتا تھا، آپ نے ادبی میدان میں شاعری کو اپنا وصف بنایا تھا، حمد ونعت سے ہی پتہ چلتا ہے کہ آپ کا ذوق کتنا حسین تھا اور کتنے دلدادہ تھے۔

حافظ وقاری ولی محمد زاہدؔ ہریانوی۔بزمِ چراغِ ادب حیدرآباد

نظم فلسطین

طاقت پہ ناز ہے نہ حکومت پہ ناز ہے
ہم کو ہمارے رب سے قرابت پہ ناز ہے

سب انبیاءؑ کی جس میں امامت نبیؐ نے کی
اقصیٰ کی اُس زمیں کی حفاظت پہ ناز ہے

جو لڑ رہے ہیں بے سرو سامان ظلم سے
ہم کو مجاہدین کی جُرأت پہ ناز ہے

ڈٹ کر کھڑے ہیں عالمی طاقت کے سامنے
ایماں کی اُن کے ہم کو حرارت پہ ناز ہے

وہ کررہے ہیں قتل ہمیں روز و شب مگر
او آئی سی کو صرف مذمّت پہ ناز ہے

اس عارضی حیات کے کھونے کا غم نہیں
اُس دائمی حیات پہ جنّت پہ ناز ہے

عیسیٰؑ مسیح آکے یہ بولیں گے فخر سے
ختمِ رُسلؐ کی مجھ کو بھی اُمّت پہ ناز ہے

جو کررہے ہیں اہلِ فلسطین کی مدد
اُمّت کو آج اُن کی سخاوت پہ ناز ہے

قرآن میں بھی ذکر ہے جس سر زمین کا
زاہدؔ ہمیں بھی اُس سے عقیدت پہ ناز ہے

سید علقمہ عرشی۔ بنارس (یوپی)

''سفیر اردو'' گوپی چند نارنگ

دنیا میں کچھ ہستیاں ایسی پیدا ہوتی ہیں جن کے نام اور ادبی کارنامے ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک زبان اور ادب زندہ ہے۔ان کے نام اور کارناموں پر گفتگو جاری رہے گی۔ انہیں عظیم ہستیوں میں ایک نام پروفیسر گوپی چند نارنگ کا ہے: گوپی چند نارنگ 11 فروری 1931 کو دگی بلوچستان میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد دھرم چند نارنگ افسر خزانہ تھے۔

ہائی اسکول کی تعلیم کے بعد دہلی آ گئے یہاں 1954 میں دہلی کالج سے اردو میں ایم اے کیا اسی سال انہوں نے فارسی میں آنرس بھی کیا 1958 میں دہلی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کے بعد وہ سینٹ اسٹیفز کالج میں لیکچرر ہو گئے۔

کچھ مدت بعد ان کا تقرر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی میں ہو گیا۔اس کے بعد کئی اور یونیورسٹی سے وابستہ رہنے کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ میں وہ 1974 میں اردو کے پروفیسر اور صدر شعبہ اردو مقرر ہوئے۔ جولائی 1984 میں دہلی یونیورسٹی کی پیشکش پر سینئیر پروفیسر اردو کی حیثیت سے واپس آ گئے اور وہیں سبکدوش ہوئے۔

وہ ساہتیہ اکادمی کے صدر اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے وائس چیئر مین بھی رہے۔

انہیں اتر پردیش سرکار کی طرف سے غالب پرائز اور نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹرینگ کا قومی ایوارڈ دیا گیا۔ 1985 میں ہندی ساہتیہ کمیٹی کا اعلی ایوارڈ اور 1986 میں غالب ایوارڈ دیا گیا۔

اس سے پہلے انہیں صدر پاکستان کی جانب سے خصوصی تمغہ امتیاز بھی عطا کیا گیا۔ 1991 میں صدر جمہوریہ ہند نے انہیں پدم شری کے اعزاز سے سرفراز کیا۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ اردو کے ممتاز ادیب اور دانشور ہیں۔تنقید، تحقیق اور لسانیات تینوں ان کی دلچسپی کے میدان ہیں۔ وہ پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں۔ ان کی کتابوں میں ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں، اسلوبیات میر، امیر خسرو کا ہندی کلام نیز مرتبات میں اردو افسانہ روایت اور مسائل، اقبال کا فن اور اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ قابل ذکر ہیں۔

گوپی چند نارنگ کی تصنیفات و تالیفات نے اردو ادب میں روح پھونک دی ہے۔اور ان کا ادبی سرمایہ اردو ادب میں ایک بے بہا اضافہ ہے۔اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اس جدید دور میں اردو کی نئی بستیوں کو آباد کرنے میں انہوں نے اہم رول ادا کیا ہے۔

گوپی چند نارنگ کی ادبی خدمات اردو کی تاریخ میں ایک مکمل باب ہے۔گوپی چند ان لوگوں سے سخت نفرت کرتے تھے جو اردو زبان کو تعصب کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اردو ہندی کو دو الگ زبان مانتے تھے۔گوپی چند نارنگ اس نظریے کے حامل تھے کہ اردو الگ سے کوئی زبان نہیں ہے بلکہ ہندوستانی زبان کے مجموعے کا نام اردو ہے۔

ان کی تحریروں میں ان کا نظریہ صاف جھلکتا ہے۔گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں ''کون نہیں جانتا جب نئی تاریخی حقیقتیں ابھرتی ہیں تو نئے سماجی تقاضے پیدا ہوتے ہیں اور نئی سچائیاں وجود میں آتی ہیں۔اردو ایسی ہی ایک سچائی ہے لسانی، سماجی،

اور تہذیبی سچائی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے صدیوں کے ساتھ اور اختلاط وارتباط سے وجود میں آئی۔اس وقت اس کا کوئی نام نہیں تھا۔کوئی بھی سچائی جب جنم لیتی ہے اس کا کوئی نام نہیں ہوتا ہے۔سچائیوں کو نام اس وقت ملتا ہے جب وہ خانہ زاد ہو جاتی ہیں۔

پراکرتوں کی دھرتی سے جب نیا اکھوا پھوٹا اور اس میں عربی، فارسی ترکی اثرات کا پیوند لگا تو اس کا کوئی بھی نام نہیں تھا۔ہند یعنی ہندوستان کی ہر چیز ہندی تھی فارسی یائے نسبتی کے ساتھ اس طرح ہر زبان ہندی تھی۔امیر خسرو نے اسے ہندوی بھی کہا ہے اور دہلوی بھی''

گوپی چند نارنگ نے جس انداز سے اردو کا شجرہ بیان کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی طریقے سے اردو کو الگ زبان ماننے پر تیار نہیں ہیں...

ایک دوسری جگہ اردو کی سند بیان کرتے ہوئے گوپی چند لکھتے ہیں کہ''جب راگ رنگ کی محفلوں میں اس کے نغمے سماں باندھنے لگے تو اسے ریختہ بھی کہا گیا۔دکن اور گجرات پہنچی تو دکنی اور گجری کہلاء، پھر کسی نے اردو کہا، کسی نے ہندی، کسی نے کھڑی، بنیاد وہی ایک راہیں الگ الگ ہو گئیں۔نام سے کیا ہوتا ہے لیکن یہاں نام ہی سے فاصلے بڑھتے اور دوریاں ہوتی گئیں''

گوپی چند اردو زبان کی محبت کے صرف حامی نہیں تھے بلکہ اردو کو جینے کا سلیقہ اور سوچنے کا طریقہ مانتے تھے ان کا ماننا تھا کہ اردو محض زبان نہیں، ایک طرز زندگی، ایک اسلوب زیست بھی ہے۔ویسے بھی اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اردو کو محض اردو کہنا اسے محض ایک زبان کہنا اردو کے ساتھ بے انصافی ہی نہیں پوری ہندوستانی تہذیب برسوں کی تاریخ باہمی میل ملاپ اور ہندوستانی باشندوں کے دلوں میں بسنے والے خوابوں، امیدوں، امنگوں اور ولولوں کی توہین بھی ہے۔

ڈاکٹر جعفر جری۔حیدر آباد

غزل

سبھی کو جھیل سی آنکھوں میں اِک اُداسی لگی
جو میں نے پاس سے دیکھا تو کچھ حیا سی لگی

عجیب شئے ہے یہ مجبوریوں کا ساون بھی
برستی آنکھ ہماری کچھ اتنی پیاسی لگی

تری نگاہ سے تیور چُرا لیئے شاید
جو مجھ سے یوں مری قسمت خفا خفا سی لگی

نحیف ہم ہوئے جب تو نے پھیر لیں نظریں
یہ زندگی بھی مجھے ایک فاحشہ سی لگی

ازل کے روز سے جعفر جریؔ تو پیاسا تھا
وہ جانِ جاں بھی تو اُس سے زیادہ پیاسی لگی

گوپی چند ایک انٹرویو کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ''میں اردو کا خادم ہوں، اردو میری ضرورت ہے، میں اردو کی ضرورت نہیں۔میں ان لوگوں میں سے ہوں جو کسی بھی کام کو شہرت کے لئے نہیں کرتے۔اگر لوگ میری باتوں پر دھیان دیتے ہیں یا جو کچھ میں کہتا ہوں اس کا کچھ نا کچھ اثر ہوتا ہے تو یہ میرے قارئین کی محبت ہے۔اردو سے میرا معاملہ عشق کا ہے اور عشق میں سود و زیاں نہیں ہوتا''

پروفیسر گوپی چند نارنگ کی اردو دوستی اور نا قابل فراموش ادبی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور اسے سنہرے حروف میں رقم کیا جائے گا....

پرواز احمد۔ چندولی، اُتر پردیش

دیواروں والا باغیچہ (۲)

چنانچہ چچا عزیز کی رخصتی کے دن یوسف کو چند گھنٹے ضائع کرنے میں کوئی پروانہیں تھا جب اس نے دس آنہ کے ٹکڑے کو ڈنڈا مارا۔ دوپہر ایک بجے اس کے والد اور چچا عزیز اکٹھے گھر آئے۔ وہ ان کے جسموں کو مائع روشنی میں چمکتے ہوئے دیکھ سکتا تھا جب وہ پتھریلے راستے پر آہستگی سے گھر کی طرف جاتے تھے۔ وہ بغیر بات کیے چل پڑے، ان کے سر جھک گئے اور ان کے کندھے گرمی سے جھک گئے۔ مہمان کے کمرے میں بہترین قالین پر ان کے لیے دوپہر کا کھانا پہلے ہی رکھا گیا تھا۔ آخری تیاریوں میں یوسف نے خود ہاتھ ڈالا تھا، بہترین اثر کے لیے کچھ ڈشز کی پوزیشنز کو ایڈجسٹ کیا تھا اور اپنی تھکی ہوئی ماں کی طرف سے ایک وسیع شکر گزار مسکراہٹ حاصل کی تھی۔ جب وہ وہاں تھا، یوسف نے دعوت کا دوبارہ جائزہ لینے کا موقع لیا۔ دو مختلف قسم کے سالن، چکن اور بنا ہوا مٹن۔ بہترین پشاوری چاول، گھی سے چمکتے اور سلطانوں اور باداموں سے لیس۔ خوشبودار اور بولڈ بنس، مندازی اور مہمری، کپڑے سے ڈھکی ٹوکری کو چھلک رہے ہیں۔ ناریل کی چٹنی میں پالک۔ پانی کی پھلیاں کی ایک پلیٹ۔ مرتے انگارے میں جلی ہوئی سوکھی مچھلی کی پٹیاں جو باقی کھانا پکاتی تھیں۔ یوسف تقریباً تڑپ کے رو پڑا جب اس نے اس کافی مقدار کا جائزہ لیا، جو اس وقت کے معمولی کھانوں سے مختلف تھا۔ اس کی ماں نے اس پرفارمنس پر بھونچال کر دیا، لیکن اس کا چہرہ اتنا افسوسناک ہو گیا کہ آخر میں وہ ہنس پڑیں۔

ایک بار جب وہ آدمی بیٹھ گئے، یوسف پیتل کا گھڑا اور پیالہ لے کر اندر چلا گیا، اور ایک صاف کتان کا کپڑا اس کے بائیں بازو پر لپٹا ہوا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ پانی ڈالا جبکہ چچا عزیز اور پھر ان کے والد نے اپنے ہاتھ دھوئے۔ وہ چچا عزیز جیسے مہمانوں کو پسند کرتا تھا، بہت پسند کرتا تھا۔ اس نے یہ سوچتے ہوئے گیسٹ روم کے دروازے کے باہر جھک گیا، اگر اس کی خدمات درکار تھیں۔ وہ کمرے میں رہ کر دیکھتا تو کافی خوش ہوتا لیکن اس کے باپ نے غصے سے اسے دیکھا اور اسے بھگا دیا۔ جب چچا عزیز آس پاس ہوتے تو ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا۔ اس نے اپنا سارا کھانا ان کے گھر کھایا حالانکہ وہ ہوٹل میں سوتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے ختم ہونے کے بعد اکثر دلچسپ لقمے باقی رہ جاتے تھے۔ جب تک کہ اس کی والدہ کو پہلے ان پر واضح نظر نہیں آتی تھی، جب وہ عام طور پر پڑوسی کے گھر یا کسی بدمعاش کے پیٹ میں ختم ہوتے تھے جو کبھی کبھار اس کے پاس آتے تھے۔ دروازے، ماں بلنگ اور خدا کی تعریف whining اس کی ماں نے کہا کہ پیٹ بھرنے کے بجائے پڑوسیوں اور ضرورت مندوں کو کھانا دینا مہربان ہے۔ یوسف اس کا احساس نہیں دیکھ سکتا تھا، لیکن اس کی ماں نے اسے بتایا کہ نیکی اس کا اپنا انعام ہے۔ وہ اس کی آواز کی تیکھے پن سے سمجھ گیا کہ اگر اس نے مزید کہا تو اسے ایک اور لمبا خطبہ سننا پڑے گا، اور اس کے

پاس قرآن اسکول کے استاد سے کافی کچھ تھا۔

ایک مدبر یوسف کو اپنا بچا ہوا حصہ بانٹنے میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔اس کا نام محمد تھا،ایک سکڑتا ہوا آدمی جس کی آواز میں بدبو آتی تھی۔ یوسف نے اسے ایک دوپہر گھر کے کنارے بیٹھا مٹھی بھر سرخ مٹی کھاتے ہوئے پایا جسے اس نے باہر کی ٹوٹی ہوئی دیوار سے نکالا تھا۔اس کی قمیض گندی اور داغ دار تھی اور اس نے سب سے زیادہ چیتھڑے ہوئے شارٹس کا ایک جوڑا پہن رکھا تھا جو یوسف نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔اس کی ٹوپی کا کنارہ پسینے اور مٹی سے گہرا بھورا تھا۔ یوسف چند منٹوں تک اسے دیکھتا رہا،اس پر بحث کرتا رہا کہ کیا اسے کسی ایسے شخص کو دیکھنا یاد ہے جو اس سے زیادہ گندا نظر آتا ہے،اور پھر اس کے پاس بچا ہوا کاساوا کا پیالہ لینے چلا گیا۔ چند منہ بھرنے کے بعد، جو محمد نے شکر گزاری کے درمیان کھایا، اس نے اسے بتایا کہ اس کی زندگی کا المیہ گھاس تھا۔اس نے کہا کہ وہ ایک بار ٹھیک تھا، سیراب شدہ زمین اور کچھ جانور، اور ایک ماں جو اس سے پیار کرتی تھی۔ دن کے وقت اس نے اپنی پیاری زمین کو اپنی طاقت اور برداشت کے ساتھ کام کیا، اور شام کو وہ اپنی ماں کے ساتھ بیٹھا جب وہ خدا کی تعریفیں گاتی اور اسے عظیم دنیا کی شاندار کہانیاں سناتی۔

لیکن پھر برائی اس پر آ گئی اور وہ اس زور سے آیا کہ اس نے گھاس کی تلاش میں ماں اور زمین کو چھوڑ دیا اور اب وہ لاتیں کھاتا ہوا دنیا میں گھومتا رہا۔اس نے اپنی آوارہ گردی میں کہیں بھی ایسا کھانا نہیں کھایا تھا جس میں اس کی ماں کے پکانے کا کمال تھا، شاید اب تک، یہ کسوا کا ٹکڑا۔ اس نے یوسف کو اپنے سفر کی کہانیاں سنائیں جب وہ گھر کی دیوار کے ساتھ بیٹھے تھے،اس کی اونچی آواز میں متحرک اور اس کا جوان چہرہ مسکراہٹوں اور ٹوٹے دانتوں والی مسکراہٹوں میں ڈوبا ہوا تھا۔میری خوفناک مثال سے سیکھو،میرے چھوٹے دوست۔ جڑی بوٹیوں سے بچو، میں تم سے التجا کرتا ہوں!"اس کے دورے کبھی زیادہ دیر تک نہیں چلے،لیکن یوسف اسے دیکھ کر اور اس کی تازہ ترین مہم جوئی کے بارے میں سن کر ہمیشہ خوش ہوتا تھا۔اسے وٹو کے جنوب میں محمد کی سیراب شدہ سرزمین اور اس کے دوران اس کی زندگی کی تفصیل سننا سب سے زیادہ اچھا لگتا تھا۔خوشی کے سال۔اس کے بعد وہ سب سے زیادہ اچھا لگا کہ محمد کو پہلی بار ممباسا میں پاگلوں کے گھر لے جانے کی کہانی سن کر۔ 'واللہ، میں تم سے جھوٹ نہیں بولتا، نوجوان،انہوں نے مجھے پاگل بنالیا! کیا تم یقین کر سکتے ہو؟ وہاں انہوں نے اس کے منہ میں نمک بھر دیا تھا اور اگر اس نے تھوکنے کی کوشش کی تو اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا تھا،انہوں نے اسے صرف اس صورت میں سکون دیا تھا جب وہ خاموشی سے بیٹھا رہتا تھا جبکہ نمک کی چٹانیں اس کے منہ میں پگھل کر اس کی ہمت کو خراب کر رہی تھیں۔محمد نے بات کی۔اس کے پاس اور بھی کہانیاں تھیں جو یوسف کو پسند نہیں تھیں، ایک اندھے کتے کے بارے میں جسے اس نے سنگسار کرتے ہوئے دیکھا تھا اور بچوں کے بارے میں جو ظلم کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔اس کی ماں اس سے شادی کرنا چاہتی تھی،اس نے کہا،اور پھر وہ احمقانہ مسکرا دیا۔

یوسف نے پہلے تو اس کو چھپانے کی کوشش کی،اس ڈر سے کہ اس کی ماں اسے بھگا دے گی،لیکن محمد جب بھی نظر آتا تھا تو اس قدر شکر گزاری کے ساتھ روتا تھا کہ وہ اس کے پسندیدہ مشائخوں میں سے ایک بن گیا تھا۔ 'اپنی ماں کی عزت کرو، میں تم سے التجا کرتا ہوں!' وہ اس کی ساعتوں میں

سرگوشی کرتا۔ میری خوفناک مثال سے سیکھیں۔ یہ کبھی سنا نہیں تھا، اس کی ماں نے یوسف کو بعد میں کہا کہ عقلمند لوگوں یا انبیاء یا سلطانوں کے لیے اپنے آپ کو مکار کا روپ دھار کر ان کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں۔ عام اور بدقسمت۔ ان کے ساتھ احترام کے ساتھ پیش آنا ہمیشہ بہتر ہے۔

ایک دفعہ یوسف نے اپنے والد کی جیکٹ کی جیب سے ایک سکہ چرا لیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ جب اس کے والد کام سے واپس آ کر نہا رہے تھے تو یوسف نے بدبودار جیکٹ میں ہاتھ ڈالا جو اس کے والدین کے کمرے میں کیل پر لٹکا ہوا تھا اور ایک سکہ لے گیا۔ یہ ایسی چیز نہیں تھی جس کا اس نے منصوبہ بنایا تھا۔ بعد میں جب اس نے سکے کو دیکھا تو یہ چاندی کا روپیہ نکلا اور وہ اسے خرچ کرنے سے گھبرا گیا۔ اسے دریافت نہ ہونے پر حیرت ہوئی اور اسے واپس رکھنے کا لالچ ہوا۔ کئی بار اس نے محمد کو دینے کا سوچا لیکن اس سے ڈرتا تھا کہ مینڈ یکنٹ اس پر کیا کہے یا الزام لگائے۔ ایک چاندی کا روپیہ یوسف کے ہاتھ میں سب سے زیادہ رقم تھی۔ چنانچہ اس نے اسے دیوار کے نیچے ایک شگاف میں چھپا دیا، اور کبھی کبھی اس کے ایک کونے کو چھیڑا۔

چچا عزیز نے دوپہر کا وقت مہمان خانے میں گزارا، سجدہ کیا۔ یوسف کے نزدیک یہ ایک پریشان کن تاخیر معلوم ہوئی۔ اس کا باپ بھی اپنے کمرے میں پیچھے ہٹ گیا تھا، جیسا کہ وہ ہر روز کھانے کے بعد کرتا تھا۔ یوسف سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ لوگ دوپہر کو کیوں سونا چاہتے ہیں، گویا یہ ایک قانون ہے جس کی انہیں پابندی کرنی ہے۔ انہوں نے اسے آرام کا نام دیا، اور کبھی کبھی اس کی ماں بھی ایسا کرتی، اپنے کمرے میں آ کر پردہ کھینچتی۔ جب اس نے ایک یا دو بار اسے آزمایا تو وہ اتنا بور ہو گیا کہ اسے ڈر تھا کہ وہ دوبارہ کبھی اٹھ نہ سکے گا۔ دوسرے موقع پر اس نے سوچا کہ موت ایسی ہو گی، بستر پر جاگتے ہوئے لیکن ہلنے سے قاصر، عذاب جیسی۔

جب چچا عزیز سو رہے تھے، یوسف کو کچن اور صحن میں صفائی کرنے کی ضرورت تھی۔ یہ ناگزیر تھا اگر وہ بچ جانے والی چیزوں کو ٹھکانے لگانے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جب وہ اپنے والد سے بات کرنے گئی تو اس کی ماں نے اسے خود ہی چھوڑ دیا۔ عام طور پر وہ سختی سے نگرانی کرتی تھی، اصلی بچ جانے والے کو اس سے الگ کرتی تھی جو دوسرے کھانے کو پیش کرتی تھی۔ اس نے کھانے کو جتنا نقصان پہنچایا، صاف کیا اور جو ممکن تھا بچا لیا، برتنوں کو صاف کیا اور دھویا، صحن میں جھاڑو دیا، پھر پچھلے دروازے سے سائے میں پہرے پر بیٹھ گیا، اس بوجھ کے بارے میں آہ بھرتا ہوا آہ بھرتا رہا۔ لے جانا

جب اس کی والدہ نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ میں آرام کر رہا ہوں۔ اس نے شائستگی سے نہ کہنے کی کوشش کی، لیکن یہ ایسے ہی نکلا، اس کی ماں مسکرا دی۔ وہ اچانک اس کے پاس پہنچی، اسے گلے لگایا اور اسے اٹھا لیا جب کہ اس نے غصے سے رہائی کے لیے لات ماری۔ اسے بچے جیسا سلوک کرنے سے نفرت تھی، وہ جانتی تھی۔ اس کے پاؤں ننگے زمین کے صحن کے وقار کی تلاش میں تھے جب وہ روکے ہوئے غصے سے جھلس رہا تھا۔ یہ اس لیے تھا کہ وہ اپنی عمر کے لحاظ سے چھوٹا تھا کہ وہ ہمیشہ یہ کرتی رہتی تھی - اسے اٹھانا، اس کے گالوں کو چومنا، اسے گلے لگانا اور بوسے دینا - اور پھر اس پر ہنسنا جیسے وہ بچہ ہو۔ وہ پہلے ہی بارہ سال کا تھا۔ اس کی حیرت پر اس نے اس

بار اسے جانے نہیں دیا۔ عام طور پر اس نے اسے چھوڑ دیا جیسے ہی اس کی جدوجہد غصے میں آ گئی، اس کے بھاگتے ہوئے نیچے کو مارنے لگا۔ اب اس نے اسے تھام لیا، اسے اپنی سخت نرمی سے نچوڑ لیا، کچھ نہیں کہا اور نہ ہنسا۔ اس کی چولی کا پچھلا حصہ ابھی تک پسینے سے تر تھا، اور اس کا جسم دھوئیں اور تھکن سے چھلک رہا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے بعد جدوجہد کرنا چھوڑ دی اور اس کی ماں نے اسے اپنے پاس رکھنے دیا۔

یہ اس کی پہلی پیشگوئی تھی۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس کا دل دہشت سے اچھل پڑا۔ اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی ماں پہلے ہی ایسا کرتی ہے۔ اس نے اسے پڑوسی کے سوگ پر روتے ہوئے دیکھا تھا جیسے سب کچھ قابو سے باہر ہو رہا ہو، اور اسے زندہ پر رحم کرنے کی درخواست کرتے ہوئے سنا تھا، اس کا چہرہ التجاؤں سے مرجھایا ہوا تھا، لیکن اس نے یہ خاموش آنسو کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس نے سوچا کہ اس کے باپ کے ساتھ کچھ ہوا ہے، کہ اس نے اس سے سخت بات کی ہے۔ چچا عزیز کے لیے شاید کھانا مناسب نہیں تھا۔

'ماں،' اس نے التجا کرتے ہوئے کہا، لیکن وہ اسے چپ کر گئی۔

شاید اس کے والد نے کہا تھا کہ اس کا دوسرا خاندان کتنا اچھا تھا۔ یوسف نے اسے یہ کہتے سنا تھا جب وہ غصے میں تھا۔ ایک بار اس نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ ٹائیٹا کے عقب میں رہنے والے ایک پہاڑی قبائلی کی بیٹی ہے جو ایک دھواں دار جھونپڑی میں رہتا تھا اور بدبودار بکریوں کی کھال پہنتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ پانچ بکرے اور دو بوریاں پھلیاں کسی بھی عورت کے لیے اچھی قیمت ہیں۔ ''اگر تمہیں کچھ ہوا تو وہ مجھے تمہارے جیسا ایک اور بیچ دیں گے جو ساحل پر مہذب لوگوں میں پلا بڑھا ہے۔ یوسف قلم تھا،' اس نے کہا۔ وہ اپنے آپ کو صرف اس وجہ سے نشر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ جب وہ بحث کرتے تھے تو وہ خوفزدہ ہو جاتی تھی، ان کے تیز الفاظ کو محسوس کرتے ہوئے اس میں کٹ جاتے تھے اور دوسرے لڑکوں کے تشدد اور ترک کرنے کی کہانیاں یاد کرتے تھے۔

یہ اس کی ماں تھی جس نے اسے پہلی بیوی کے بارے میں بتایا تھا، مسکراہٹ کے ساتھ کہانی سناتے ہوئے اور وہ آواز جو اس نے افسانوں کے لیے رکھی تھی۔ وہ ایک پرانے کلوا خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک عرب خاتون تھیں، جو کافی شہزادی نہیں تھیں بلکہ معزز نسل کی تھیں۔ یوسف کے والد نے اس کی شادی اس کے قابل فخر والدین کی خواہش کے خلاف کی تھی، جنہوں نے اسے ان کے لیے اتنا بڑا نہیں سمجھا تھا۔ اگرچہ اس کا نام اچھا تھا، لیکن آنکھوں سے کوئی بھی شخص دیکھ سکتا تھا کہ اس کی ماں یقیناً وحشی تھی اور اسے خود بھی خوشحالی نصیب نہیں ہوئی۔ اور اگرچہ ایک ماں کے خون سے کسی نام کی بے عزتی نہیں کی جا سکتی تھی، لیکن جس دنیا میں وہ رہتے تھے اس نے کچھ عملی ضرورتیں عائد کر دیں۔ وہ اپنی بیٹی کے لیے اس سے زیادہ خواہشات رکھتے تھے کہ وہ اسے وحشی چہروں والے غریب بچوں کی ماں بننے دیں۔ اُنہوں نے اُس سے کہا: جناب، آپ کی توجہ کے لیے ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، لیکن ہماری بیٹی اب شادی کے بارے میں سوچنے کے لیے بہت چھوٹی ہے۔ شہر میں ہم سے زیادہ لائق بیٹیاں ہیں۔

لیکن یوسف کے والد نے اس نوجوان عورت کو دیکھ لیا تھا، اور وہ اسے بھول نہیں سکتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ محبت میں گر گیا تھا! پیار نے اسے لاپرواہ اور بے وقوف بنا دیا، اور اس

نے اس تک پہنچنے کے راستے ڈھونڈے۔ وہ کلوا میں ایک اجنبی تھا، صرف ایک ایجنٹ کے طور پر وہ اپنے آجر کے لیے مٹی کے پانی کے برتنوں کی کھیپ پہنچاتا تھا، لیکن اس نے ایک اچھا دوست بنالیا تھا جو ایک ڈھو، ناہودھا کا کشتی ماسٹر تھا۔ ناہودھا نے خوشی سے اسے نوجوان عورت کے لیے اپنے شوق میں برقرار رکھا اور اسے جیتنے کے لیے اس کی چالوں میں اس کی مدد کی۔ نہودھا نے کہا کہ کسی بھی چیز کے علاوہ یہ اس کے خودساختہ خاندان کے لیے کچھ غم کا باعث بنے گا۔ یوسف کے والد نے اس نوجوان عورت کے ساتھ خفیہ اسائنمنٹس کیں اور بالآخر اسے چرا کر لے گئے۔ ناہودھا، جو شمال میں فازا سے لے کر جنوب میں متوارا تک ساحل پر موجود تمام لینڈ فالوں کو جانتا تھا، انہیں سرزمین پر باگامویو تک لے گیا۔ یوسف کے والد کو ہاتھی دانت کے ایک گودام میں کام ملا جس کا تعلق ایک ہندوستانی تاجر سے تھا، پہلے ایک چوکیدار کے طور پر، پھر ایک کلرک کے طور پر اور نوکری کرنے والے تاجر کے طور پر۔ آٹھ عورتوں سے شادی کرنے کے بعد اس نے کلووا واپس آنے کا منصوبہ بنایا، برسوں پہلے اس نے اپنے والدین کو خط لکھا تھا، جس میں ان سے معافی کی درخواست کی تھی۔ اس کے دو جوان بیٹوں کو والدین کی ملامت کے کسی بھی نشان کو دور کرنے کے لیے اس کے ساتھ جانا تھا۔ انہوں نے جس ڈھو میں سفر کیا اسے جیچو یعنی آنکھ کہا جاتا تھا۔ باگامویو سے نکلنے کے بعد اسے دوبارہ کبھی نہیں دیکھا گیا۔ یوسف نے اپنے والد کو بھی اس خاندان کے بارے میں بات کرتے ہوئے سنا تھا، اکثر وہ کسی بات پر ناراض ہوتے یا مایوسی کے بعد۔ وہ جانتا تھا کہ یادیں اس کے والد کو تکلیف دیتی ہیں اور اسے شدید غصے میں ڈال دیتی ہیں۔

ان کی خوفناک بحثوں میں سے ایک کے دوران، جب وہ کھلے دروازے کے باہر بیٹھے اس کے بارے میں بھول جاتے ہیں جب وہ ایک دوسرے پر پنجے مار رہے تھے، اس نے اپنے والد کو کراہتے ہوئے سنا، 'اس کے لیے میری محبت نصیب نہیں ہوئی۔ تمہیں اس کا درد معلوم ہے۔'

' کون نہیں کرتا؟' اس کی ماں نے پوچھا، ''اس کا درد کون نہیں جانتا۔ یا آپ کو لگتا ہے کہ میں محبت کے درد کو نہیں جانتا جو غلط ہو جاتا ہے؟ کیا آپ کو لگتا ہے کہ مجھے کچھ نہیں لگتا؟"

'نہیں، نہیں، مجھ پر الزام نہ لگائیں، آپ پر نہیں۔ تم میرے چہرے کی روشنی ہو،'' وہ چلایا، اس کی آواز بلند اور ٹوٹ رہی تھی۔ 'مجھ پر الزام نہ لگائیں۔ یہ سب دوبارہ شروع نہ کریں۔"

'میں نہیں کروں گا،' اس نے اس سے کہا، اس کی آواز کو سسکی میں گرادیا۔

اس نے سوچا کہ کیا وہ دوبارہ بحث کر رہے ہیں۔ وہ اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا، یہ بتانا چاہتا تھا کہ معاملہ کیا ہے، اس کی بے بسی سے ناراض ہو کر اس مسئلے پر مجبور ہو گیا اور اسے بتانے پر مجبور کر دیا کہ اس کے رونے کی وجہ کیا ہے۔

آپ کے والد آپ کو بتائیں گے،' اس نے آخر میں کہا۔ اس نے اسے جانے دیا اور واپس گھر کے اندر چلی گئی۔ پلک جھپکتے ہی دالان کی اداسی نے اسے نگل لیا تھا۔

جب چھوڑنے کا وقت آیا تو شاید ہی حقیقی معلوم ہوا۔ اس نے گھر کے سامنے والے دروازے پر اپنی ماں کو الوداع کہا اور اپنے والد اور چچا عزیز کے پیچھے اسٹیشن کی طرف چلا گیا۔ اس کی ماں نے اسے گلے نہیں لگایا اور بوسہ نہیں دیا اور

نہ ہی اس پر آنسو بہائے۔اسے ڈر تھا کہ وہ کرے گی۔ بعد میں، یوسف کو یاد نہیں تھا کہ اس کی ماں نے کیا کیا یا کیا کہا، لیکن اسے یاد آیا کہ وہ بیمار یا چکرا رہی تھی، دروازے کی چوکھٹ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ جب اس نے اپنی رخصتی کے لمحے کے بارے میں سوچا تو جو تصویر ذہن میں آئی وہ چمکتی ہوئی سڑک کی تھی جس پر وہ چل رہے تھے اور اس سے آگے آدمی۔ ان سب کے سامنے انکل عزیز کا سامان کندھوں پر اٹھائے پورٹر لڑکھڑا گیا۔ یوسف کو اپنا چھوٹا بنڈل اٹھانے کی اجازت دی گئی: شارٹس کے دو جوڑے، ایک کانزو جو کہ پچھلی عید سے ابھی تک نیا تھا، ایک قمیض، قرآن کا ایک نسخہ، اور اپنی والدہ کی پرانی مالا۔ اس نے مالا کے علاوہ سب کو ایک پرانی شال میں لپیٹ لیا تھا، پھر سروں کو ایک موٹی گرہ میں کھینچ لیا تھا۔ مسکراتے ہوئے، اس نے گرہ میں سے چھڑی کو دھکیل دیا تھا تاکہ یوسف اپنا بنڈل اپنے کندھے پر لے جا سکے، جیسا کہ دربانوں نے کیا تھا۔ بھورے پتھر کی مالا اس نے آخری بار چپکے سے اس پر دبائی تھی۔

اس کے ذہن میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں، کہ شاید وہ اپنے والدین سے ایک طویل عرصے کے لیے غائب ہو جائے، یا یہ کہ وہ انھیں دوبارہ کبھی نہ دیکھ سکے۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں کہ وہ کب واپس آئے گا۔ اس نے کبھی یہ پوچھنے کا سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ انکل عزیز کے ساتھ سفر میں کیوں جا رہا ہے، یا کاروبار کو اس طرح اچانک کیوں ترتیب دینا پڑا۔ سٹیشن پر یوسف نے دیکھا کہ ناراض کالے پرندے کے ساتھ پیلے جھنڈے کے علاوہ ایک اور جھنڈا بھی تھا جس پر چاندی کے دھارے والی سیاہ صلیب تھی۔ انہوں نے اس کو اس وقت اڑایا جب چیف جرمن افسران ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ اس کے باپ نے اس کی طرف جھک کر اس سے ہاتھ ملایا۔ وہ اس سے کچھ دیر تک بولا، آخر میں اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ اس کے بعد یوسف کو یاد نہ رہا کہ اس سے کیا کہا گیا تھا، لیکن خدا اس میں آ گیا۔

☆☆☆

شاھنواز ھاشمی۔حیدرآباد

راستہ فاروق اعظمؓ کا

ہوا ہے جب نبیؐ سے رابطہ فاروق اعظمؓ کا
بلندی پر ستارہ آ گیا فاروقِ اعظمؓ کا
شجاعت میں، فراست میں، عدالت میں، صداقت میں
ملے گا کیا کوئی ثانی بھلا فاروقِ اعظمؓ کا
ملی ہے تقویت اسلام کو جو ان کے آنے سے
جدھر دیکھو اُدھر ہے تذکرہ فاروقِ اعظمؓ کا
وہ مومن ہو نہیں سکتا جو اُن کو بدعتی کہہ دے
حدیثوں سے ہے ثابت مرتبہ فاروقِ اعظمؓ کا
کیا فرمان جاری نیل کو کاغذ کے پرزے پر
ہوا دنیا پہ ظاہر دبدبہ فاروقِ اعظمؓ کا
ہمیشہ مفلس و نادار کی امداد فرماتے
رہا ہے بے کسوں کو آسرا فاروقِ اعظمؓ کا
کھلا رہتا اگر بابِ نبوت تو نبیؐ ہوتے
بتایا خود نبیؐ نے مرتبہ فاروقِ اعظمؓ کا
تمھیں اے ہاشمی کچھ مرتبہ پانا ہو عقبیٰ میں
تو پھر اپنانا ہوگا راستہ فاروقِ اعظمؓ کا

بزم ترابیہ بنگلور کے زیر اہتمام زیر سرپرستی حضرت سید شاہ محمد زین العابدین ترابی شطاری سہروردی چشتی قادری بیاد سید مسرور عابدی مرحوم و سید یوسف روشؔ مرحوم ''تعزیتی جلسہ و نعتیہ مشاعرہ'' میں خصوصی شمارہ ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد سید یوسف روشؔ شعراء، علماء اور ادباء کے ہاتھوں میں۔ تصویر میں مہمان خصوصی مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد خطاب کرتے ہوئے، انھوں نے اپنے خطاب میں سید مسرور عابدیؒ اور سید یوسف روشؔؒ کو خراج عقیدت پیش کیا اور کہا شعراء اپنے افکار کے ذریعہ زندہ اور پابندہ رہتے ہیں۔ تصویر میں مولانا محمد زعیم الدین حسامی، قاضی عظمت اللہ جعفری، حضرت سید شاہ محمد زین العابدین، حضرت طیب اعجاز ترابی، میر مقبول علی مقبول، عبدالرشید ارشد، ظہور ظہیر آبادی ناظم مشاعرہ اور دیگر حضرات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہین نگر حیدرآباد زیر انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد میں ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد کے تازہ شمارہ کی رونمائی کرتے ہوئے۔

تصویر میں مکاشف ہلال، محمد ہلال، محمد فوزان، مولانا محمد بُشیر معروفی قاسمی، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، مولانا مساعد ہلال احیائی، حافظ محمد شاکر قاسمی، مولانا اشرف علی اشاعتی اور نعمت اللہ وغیرہ دیکھے جاسکتے ہیں۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC CARE

Consultation Time
Morning:9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL

EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

Regd. No. 180/2016

مدرسہ ومسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے خَیْرُکُم مَن تَعَلَّمَ القُرآن وَعَلَّمَہ ۔تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشرواشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تا کہ امت مسلمہ کے نونہالان زیورعلم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین یارب العٰلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے،اس وجہ سے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرما کر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

مسجدِ الٰھی

زیرانتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام جاری ہے۔الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیّرہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے، اللہ تعالیٰ مخیّرہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیرانتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کر کے حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

جزاك الله خيرًا أحسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number** : 1327104000065876

A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar

G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد